اسلامی تاریخ کی خطرناک ترین جدیدیت: الحاد سے بدتر جدید دین

استاد یوسف القرضاوی اور ان کا وسطانیہ مکتب فکر

مصر میں جمال الدین افغانی کے ذریعے محمد عبدہٗ پر جدیدیت کے پڑنے والے اثرات نے نہ صرف جامعہ الازہر بلکہ پورے مصر کو متاثر کیا۔ محمد عبدہٗ عالمِ عرب میں پہلے عالم ہیں جنھوں نے اجماع کی حجیت سے انکار کیا۔ وہ مغربی فکر، فلسفے اور مغرب کی ترقیات سے بے انتہا متاثر تھے۔ لطف کی بات یہ تھی کہ وہ انگریزی زبان سے ناواقف تھے۔ فرانسیسی زبان سیکھی تھی لیکن اس میں فلسفے کی کتابیں نہیں پڑھ سکے، مغربی فکر و فلسفے پر ان کی نظر سطحی نوعیت کی بھی نہیں تھی لیکن مغرب کی ترقی چکا چوند نے ان کی آنکھیں خیرہ کر دی تھیں۔ ان کے اثرات کے باعث مصر میں آزاد خیالی اور اباحیت کو فروغ حاصل ہوا۔ طٰہٰ حسن، توفیق الحکیم، نجیب محفوظ اور قاسم بے مفتی عبدہٗ کے دریائے فکر و فن کی چند جدید موجیں ہیں۔

اخوان المسلمین نے جدیدیت کے سامنے مضبوط بند باندھا لیکن مفتی عبدہٗ کے اثرات سے باہر نہ رہ سکی۔ جس کے نتیجے میں مصر میں آزاد خیالی کا عنصر تمام مذہبی عناصر کے یہاں محسوس ہوتا ہے۔ اخوان کے سابق لوگوں پر مشتمل نیو اسلامسٹ گروپ مصر میں ایک طاقت ور مقام کا حامل بن چکا ہے۔ اس جدید اسلامی گروہ کی گمراہی سر سید، مفتی عبدہٗ، چراغ علی، جمال الدین افغانی، عبیداللہ سندھی، غلام احمد پرویز، مشرقی، احمد دین امرتسری، وحیدالدین خان اور فراہی مکتب فکر کی مشترکہ گمراہیوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ اور حد درجہ خطرناک ہے جو کام یہ تمام گروہ ایک صدی میں نہ کر سکے۔ وسطانیہ وہ کام چند عشروں میں کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کا ازالہ بھی کرانا جانتی ہے۔ اس گروہ کی قیادت راسخ العقیدہ عالم دین علامہ یوسف القرضاوی ممتاز صحافی فہمی ہویدہ اور قانون دان محمد سلیم العواجج اور تاریخ دان طارق البشری اور پروفیسر کمال عبدالمجد پروفیسر قانون جامعہ قاہرہ کر رہے ہیں۔ [محمد الغزالی اس گروہ کے اہم رہنما تھے لیکن وہ انتقال فرما گئے] یہ

مفکرین اپنے آپ کو ''وسطانیہ'' کہلانا پسند کرتے ہیں۔ یہ گروہ قرآن وسنت اجماع کو ماخذِ دین سمجھتا ہے لیکن اجماع کا لفظاً تو نہیں عملاً انکار کرتا ہے اور جدید عہد سے گہری واقفیت کے بغیر قرآن وسنت کی جدید عہد کے تناظر میں نئی تشریح اور تفسیر کرنا دین کا لازمی حصہ سمجھتا ہے۔ یہ تشریح خالصتاً عقل اور مغرب کی مہیا کردہ تشریحات، اصطلاحات کے تناظر میں کرنا لازمی اور ضروری سمجھتا ہے۔ یہ گروہ راسخ العقیدہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ یہ علماء اسلامی علوم پر عبور رکھتے ہیں، لیکن ان کا المیہ یہ ہے کہ یہ مغربی فکر اور فلسفے سے بالکل ناواقف ہیں۔ انھیں مغربی اصطلاحات کے تاریخی پس منظر سے بھی واقفیت حاصل نہیں لہٰذا مغرب سے آنے والی تمام جاہلانہ اصطلاحات مثلاً Freedom of Expression, Equality, Freedom Progress, Librelism, Justice, Welfare, Free Society وغیرہ کی اصطلاحات کو اسلامی لبادہ پہنانے کی کوشش میں مصروف ہیں اس گروہ میں ایک بھی ایسا فرد نہیں جو مغربی اصطلاحات کے تاریخی وفلسفیانہ تناظر کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہو یہ گروہ راسخ العقیدگی کے باوجود مغرب پر ایمان لے آیا ہے اور اسلام کو مغرب میں ضم اور تحلیل کرنے کے لیے بڑی تیزی سے کام کر رہا ہے اور اس کے لیے قرآن وسنت سے مثالیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر لا رہا ہے۔ یہ گروہ معتزلہ خوارج سے زیادہ خطرناک ہے ان کا جدید دین الحاد سے بدتر ہے۔

امام غزالی اور محمد الغزالی وقرضاوی میں فرق:

علامہ یوسف قرضاوی اور مرحوم محمد الغزالیؒ نے امام غزالی کے طریقہ کار کے برعکس طریقہ اختیار کر کے اسلامی علمیات کو متنازعہ، مشکوک، ناقابلِ اعتبار بنادیا ہے۔ یہ معذرت خواہ جدیدیت پسند گروہ مغرب کو ایک عالمگیر نظام اور اس کی اقدار کو عالمی، غیر متبدل، غیر جانبدار اصطلاحات سمجھ کر اسلام سے اس کا جواز پیش کر کے مغرب کے معاشرے میں اسلام کے لیے کوئی راستہ اور جگہ بنانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ امام غزالی نے اسلامی علمیات کی روشنی میں یونانی فلسفے کا محاکمہ اور ناقدانہ تجزیہ کیا تھا۔ نہ کہ یونانی فلسفے کی روشنی میں اسلام کا محاکمہ کیوں کہ وہ یونانی فلسفے سے واقف تھے اور اس پر عبور رکھتے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ امام غزالی نے یونانی فلسفے پر اندرونی [Internal] تنقید بھی کی اور اس فلسفے کو اسی کے علمیاتی اصولوں کی روشنی میں غلط اور غیر عقلی ثابت کر دیا اور اس پر اسلام کی برتری بھی ثابت کردی لیکن وسطانیہ اسکول نہ مغرب پر خارجی [External] تنقید کر رہا ہے نہ داخلی [Internal] وہ صرف مغرب کو اخذ واختیار کرنے کے طریقے تلاش کرنے میں مصروف ہے۔ مصری علماء کی کمزوری یہ ہے کہ وہ امام غزالی کے مرتبے کا کام کرنا چاہتے ہیں لیکن مغرب سے قطعاً ناواقف ہیں۔ لہٰذا یہ مغرب کی علمیاتی [Epistomology] مابعد الطبیعیات [Metaphysic] اور کونیات [Cosmology]، وجودیات [ontology] کے رائج الوقت منہاجات [Paradigms] کو اسلامی

علمیاتی منہاجات سے اعلیٰ و برتر سمجھ کر مغربی اصطلاحات کو اسلامی رنگ اور آہنگ عطا کر رہے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ مغرب کے منہاجات سے یہ قطعاً ناواقف ہیں۔

محمد الغزالی کو اخوان نے خارج کر دیا تھا:

محمد الغزالی کو ۱۹۵۴ء میں اخوان المسلمین کی رکنیت سے خارج کر دیا گیا تھا کیوں کہ ان کے سرکاری سطح پر خفیہ روابط کا انکشاف ہو گیا تھا۔ اس جدید اسلامی گروہ کا منشور ۱۹۸۰ء میں A Contemporary Islamic Vision کے نام سے تحریر کیا گیا اور اسے ۱۵۰ علماء اور دانشوروں میں خاموشی کے ساتھ بحث و مباحثے کے لیے تقسیم کیا گیا۔ گیارہ سال تک اس منشور کو خفیہ رکھا گیا اور ۱۹۹۱ء میں پہلی مرتبہ یہ منشور شائع ہوا جس کے بعد اسلامی جدیدیت ایک نئے پیرہن میں جلوہ گر ہوئی۔ اس مکتبہ فکر سے متاثر لوگوں نے مصر میں جماعتِ وسطانیہ کے نام سے ایک سیاسی جماعت کی تشکیل بھی کی ہے۔ واضح رہے کہ شیخ محمد عبدہٗ سے متاثر دانشوروں نے بھی مصر میں حزب الامہ کے نام سے ایک سیاسی جماعت کی داغ بیل ڈالی تھی۔ شیخ عبدہٗ مصری حکومت پر بھی اثر انداز رہے اور ان کے ہم خیال لوگ حکومت مصر کے اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز ہوئے لیکن عملاً یہ تمام افراد استعمار کا آلہ کار اور لادینیت کے علمبردار بن کر کام کرتے رہے اور عالم عرب میں مصر کو ایک لادین معاشرے میں تبدیل کرنے کا باعث بنے۔ محمد الغزالی کی کتاب السنۃ النبویہ بین اہل الفقہ واہل الحدیث (قاہرہ ۱۹۸۹ء) تاریخ اسلامی کی خطرناک عصری جدیدیت کا علمی شہ پارہ ہے:

شیخ محمد الغزالی کی کتاب نے مصر میں ایک ہلچل پیدا کی اور دو سال کے عرصے میں اس کتاب کے مباحث سے متعلق سات تائیدی و تردیدی کتابیں منظر عام پر آئیں۔

قرضاوی اور الغزالی کی خطرناک کتابیں:

علامہ یوسف قرضاوی کی کتاب الصحوۃ الاسلامیہ بین الجحود والتطرف اور سنت پر ان کی دوسری کتاب کیف نتعامل مع السنۃ النبویہ (المنصورہ ۱۹۹۰ء) اس مکتبہ فکر کی خطرناک اغلاط کا چھوٹا سا نمونہ ہیں۔ علامہ یوسف القرضاوی ۷۰ کے آخری عشرے تک ایک راسخ العقیدہ عالم تھے لیکن ''حلال وحرام'' نامی کتاب کی اشاعت کے بعد ان پر جدیدیت کے جراثیم تیزی سے اثر انداز ہوئے۔ ۱۹۸۴ء میں دار التکفیر والہجرہ نامی تنظیم کے حوالے سے اسلامی تشدد پسندی کی اصلاح کے لیے ان کے مضامین مصر کے رسالے ''الامۃ'' میں شائع ہوئے جو بعد میں کتابی شکل میں الصحوۃ الاسلامیہ بین الجحود والتطرف کے نام سے شائع ہوئے۔ اس کتاب میں قرضاوی کی جدیدیت نے نئی کروٹ لی اور نجاشی کے واقعے کی آڑ میں اس کی جلوہ گری ہوئی۔ جس کا تازہ ظہور افغانستان پر امریکی حملے میں مسلمانوں کی شرکت کے لیے ان کا فتویٰ ہے جس کے دلائل کا تمام تر تانا بانا نجاشی والے استدلال

سے اٹھایا گیا ہے۔ایک مصر نے استاد قرضاوی کے فکر ونظر کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا تھا:

استاد یوسف قرضاوی راسخ العقیدہ مسلمان عالم ہیں ان کی فکر میں تبدیلی کے آثار ۲۵ سال قبل اس سلسلہ مضامین میں ظاہر ہوئے جو رمضان ۱۴۰۱ھ میں رسالہ ''الامۃ'' میں شائع ہوئے اور بعد میں کتابی شکل میں الصحوۃ الاسلامیہ بین الجحود والتطرف کے نام سے منظر عام پر آئے اس کتاب کی اشاعت کے بعد یوسف قرضاوی نہایت سرعت سے جدیدیت پسندی کی راہ پر چلنے لگے ان کے اخلاص میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں لیکن یہ اخلاص اس علم سے خالی ہے جو مغرب سے متعلق ہے۔

ہمارے اس موقف کی تصدیق فہمی ہویدہ کے اس مضمون سے ہوتی ہے جو ۳۱/جنوری ۱۹۸۹ء کے الاہرام میں شائع ہوا۔اس مضمون کا عنوان Prestoroika Islamia ہے جو ایک روسی اصطلاح ہے جس کا روسی زبان میں مطلب ''ترامیم وتبدیلی'' ہے۔یعنی یہ مکتبہ فکر اسلامی علمیات منہاجات اور اصول دین میں ترامیم وتبدیلی کا علمبردار ہے۔

مغرب میں اس نئے مصری مکتبہ فکر کی زبردست پذیرائی کی جارہی ہے اور مغربی مفکرین کا خیال ہے کہ یہ مکتبہ فکر سرسید اور عبدہٗ کی خامیوں سے بچ کر ایک جدید اسلام کا فکری اثاثہ ثابت ہوگا جو مغربی اقدار اور روایات کے بہت قریب ہوگا یہ اسلامی اثاثہ تمام عالم اسلام کو متاثر کر سکے گا۔جو کام شیخ عبدہٗ نہیں کر سکے وہ کام ان راسخ العقیدہ علماء کے ہاتھوں ممکن ہو جائے گا۔اس گروہ نے اسلام کو ایک تہذیب کے طور پر ایک پروجیکٹ تسلیم کیا ہے اور مغربی تہذیب سے مماثلت وقرابت تلاش کرنے کے لیے تیزی کے ساتھ کام ہو رہا ہے۔

ان کا دعویٰ ہے کہ:

There is a strong Moderate heart to the centerist Islamic movement.

وسطانیہ: نہایت بے باک اور آزاد خیال گروہ

یہ گروہ مغربی اقدار و روایات کی اسلامی توجیہہ پیش کرنے کے سلسلے میں انتہائی آزاد خیال ہے اور انتہائی لچک کا مظاہرہ کر رہا ہے اس گروہ کا یہ خیال ہے کہ مغربی تہذیب کا کوئی متبادل نہیں کیوں کہ یہ اسلامی تہذیب ہی کی جلوہ گری ہے۔لہٰذا اسلام ومغرب میں مغائرت تلاش کرنے کے بجائے تہذیبی، ثقافتی اور فلسفیانہ سطح پر مماثلت اسلامی علمی بنیادوں پر تلاش کرنا ضروری ہے۔امریکہ کو اور مغرب کو سب سے زیادہ خطرہ اس اسلام سے ہے جو ایوان حکومت میں نفوذ کرتا ہو یعنی اسلام کا ایوان سیاست میں داخل ہونا جسے مغربی مفکرین سیاسی اسلام کہتے ہیں۔وسطانیہ والے اس سیاسی اسلام کی نفی کرتے ہیں بلکہ ریاست کی سطح پر وہ کسی مذہبی ریاست کے قائل نہیں ان کے خیال میں ریاست سیکولر ہوتی ہے۔

حضرت عمر کا فرمان اور علامہ قرضاوی:

حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ وہ شخص دین کی کڑیاں بکھیر کر رکھ دے گا جو جاہلیت سے ناواقف ہے لہٰذا قرضاوی صاحب کی صرف اسلام سے واقفیت اور علوم اسلامیہ پر عبور کافی نہیں جاہلیت پر بھی اتنا عبور ضروری ہے جتنا عبور اسلام پر ہے۔ اگر جاہلیت پر عبور نہ ہو تو اس موضوع پر کامل خاموشی لازمی ہے لیکن قرضاوی صاحب مغربی فکر و فلسفے سے واقفیت کے بغیر مغرب کو اسلامی جواز عطا کر رہے ہیں جو خطرناک صورت حال ہے۔ یوسف القرضاوی بنیاد پرست طبقات، احیائی تحریکوں، قدامت پسندوں اور جدیدیت پسند طبقات میں یکساں مقبول ہیں۔ ان کی مقبولیت کی بنیادی وجہ ان کا وہ فتویٰ ہے جو ''خودکش حملوں'' کے حق میں دیا گیا تھا۔ اس فتوے کے باعث یوسف قرضاوی کو قدامت پرست اور بنیاد پرست سمجھا جاتا ہے لیکن ان اصلاً وہ مغرب سے بے پناہ مرعوب ہیں اور یہ مرعوبیت ان کی کتابوں سے جھلکتی ہے۔ وہ اسلامی بنیاد پرستوں پر شدید تنقید کرتے ہیں لیکن ان کے قلم سے عالمی دہشت گردوں کے خلاف کوئی تحریر نہیں نکلتی نجاشی کے واقعے سے شریعت اسلامی سے فرار کا راستہ وہ عالم مغرب میں آباد تمام مسلمانوں کو دکھانا چاہتے ہیں اور مغرب میں آباد تمام مسلمانوں کو دینی شعائر پر عمل درآمد میں رخصت کا طریقہ بھی بتا رہے ہیں ایسی رخصت جو تاریخ میں کسی فقیہہ نے نہیں دی حتیٰ کہ عباسی دور کے بعض خلفاء کو بھی بعض درباری فقہاء ان کی مرضی کے فتاویٰ نہ دے سکے۔ ان کی تحریر ملاحظہ کیجیے:

نجاشی کے واقعے سے قرضاوی صاحب کے جدیدیت پسند اجتہادات:

اور اسی طرح کفار کا معاملہ ہے۔ اگر ان میں سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچتی ہے اور اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر جو کچھ آپؐ پر اتارا گیا ہے وہ اس پر ایمان لاتا ہے، حسب استطاعت تقویٰ کی راہ اپناتا ہے جیسا کہ نجاشیؓ وغیرہ نے کیا تھا لیکن اسے نہ ہجرت کا موقع ملتا ہے اور نہ پوری شریعت کو اپنانے کا، اس لیے کہ ہجرت اور اپنے دین کے اعلان سے اسے روک دیا گیا ہے اور اس کے پاس کوئی ایسا شخص بھی نہیں ہے جو اسے پوری شریعت کی تعلیم دے سکے، تو ایسا شخص مومن اور جنتی ہے جیسا کہ فرعون کی قوم کے ساتھ رہنے والے ایک مومن کا ذکر آیا ہے یا جیسے فرعون کی بیوی تھی۔

یہی کیفیت نجاشی کی ہے وہ اگرچہ عیسائیوں کا بادشاہ تھا لیکن اس کی قوم نے اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں ساتھ نہیں دیا۔ نجاشی کے ساتھ صرف چند آدمیوں نے اسلام قبول کیا، اسی لیے جب نجاشی کی وفات ہوگئی تو وہاں کوئی جنازہ پڑھنے والا بھی نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنازے کی نماز مدینہ میں پڑھائی۔ آپؐ مسلمانوں کو لے کر نماز جنازہ کے لیے باہر نکلے............ انھیں صفوں میں کھڑا کیا اور نماز پڑھائی جس دن نجاشی کی موت ہوئی اسی دن آپؐ نے مسلمانوں کو اس کے مرنے کی خبر دی اور کہا حبشہ میں تمہارے ایک

صالح بھائی کی وفات ہوگئی۔

نجاشی کو مجبوری کے باعث شریعت کے بہت سے احکام پر عمل کا موقع نہیں مل سکا، نجاشی نے نہ ہجرت کی، نہ جہاد کیا، نہ خانہ کعبہ کا حج کیا بلکہ روایت تو یہ بھی کی گئی ہے کہ اس نے نہ فرض نمازیں پڑھیں، نہ رمضان کے روزے رکھے، نہ شرعی زکوٰۃ ادا کی۔ اس لیے کہ اگر یہ چیزیں ظاہر ہو جاتیں تو اس کی قوم اسے ناپسند کرتی اور وہ ان کی مخالفت کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا اور ہم یقینی طور پر یہ بات جانتے ہیں وہ ان کے درمیان قرآن کے احکام کے مطابق فیصلے نہیں کر سکتا تھا۔ جب کہ اللہ نے اپنے رسول پر مدینہ میں یہ لازم کر دیا تھا کہ اگر اہل کتاب آپؐ کے پاس اپنے جھگڑے لائیں تو آپؐ قرآن کے مطابق فیصلہ کریں ایسا نہ ہو کہ جو احکام آپؐ پر اتارے گئے ہیں ان میں سے بعض مثلاً زنا کی سزا رجم اور دیت اور قصاص وغیرہ کے معاملے میں اہل کتاب آپ کو فتنہ میں مبتلا کر دیں۔

نجاشیؓ کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ قرآنی احکام کے مطابق فیصلے کرے اگر وہ ایسا کرتا تو اس کی قوم برداشت نہ کرتی، بسا اوقات ایک شخص مسلمانوں اور تاتاریوں کے درمیان قضا اور امامت کے منصب پر مقرر ہوتا۔ اس کے دل میں عدل و انصاف کا جذبہ بھی ہوتا تھا لیکن حالات وظروف کے باعث وہ اسے بروئے کار نہیں لاسکتا تھا۔ **ولا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا.**

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے عدل وانصاف قائم کرنے کی کوشش کی، تو ان کی مخالفت کی گئی، اذیت پہنچائی گئی بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ انھیں زہر دے دیا گیا۔ پس نجاشی اور اسی طرح کے لوگ جنت میں خوش بخت ہوں گے۔ اگرچہ ان لوگوں نے اسلامی شریعت کی جن چیزوں کو اپنانے کی قدرت نہیں رکھتے تھے، ان کو نہیں اپنا سکے بلکہ یہ ایسے احکام کے تحت فیصلے کرتے تھے جن کے ذریعے فیصلے کرنے کی انھیں قدرت حاصل تھی۔ قرضاوی نجاشی کے واقعے کی تاریخی اغلاط واضح کیے بغیر اس سے قیامت تک کے لیے رخصت کے حیلے اور جواز تلاش کر رہے ہیں۔ وسطانیہ مکتب فکر کی فقہ اسلامی ''کتاب الحیل'' کی عظیم الشان توسیع اور تخریج ہے۔

۱۹۸۰ء میں یوسف قرضاوی کے اس نقطہ نظر کی تازہ ترین توسیع وہ فتویٰ ہے جو افغانستان پر امریکی حملے کے وقت امریکی مسلم سپاہیوں کو اس فوج کشی میں حصہ لینے کے لیے دیا گیا۔ فتوی درج ذیل ہے۔ اسلامی تاریخ میں اس نوعیت کا غیر شرعی، غیر ذمہ دارانہ غیر مدلل، غیر واضح فتویٰ آج تک نہیں دیا گیا۔ اس فتوے سے وسطانیہ مکتب کے تفقہہ فی الاسلام کی قلعی بھی اچھی طرح اتر جاتی ہے۔ یہ فتوی دین اسلام کے تمام نصوص کے انکار پر مبنی ہے۔ علامہ قرضاوی اس فتوے کے ذریعے استعمار کے دیرینہ حلیف بن کر سامنے آتے ہیں۔ یہ فتویٰ عالم اسلام کے کل فقہی ذخیرے کا انکار ہے۔

امریکی مسلم فوجی: مسلم ممالک کے خلاف جنگوں کی اجازت عام
علامہ یوسف قرضاوی کا فتویٰ

اللہ ربّ رحیم وکریم کے نام سے

شرعی/قانونی فتویٰ:

یہ فتویٰ امریکی مسلح افواج کے سینئر ترین امام محمد عبدالرشید کے سوالات کے جواب میں پیش کیا گیا ہے۔ ان سوالات کا تعلق امریکی افواج میں موجود مسلمان فوجیوں کی افغانستان اور دوسرے مسلمان ممالک میں جاری امریکی عسکری یلغار میں حصہ لینے کی اجازت سے ہے۔ اپنے سوال میں انھوں نے امریکی عسکری یلغار (جنگ) کے مندرجہ ذیل مقاصد بیان کیے ہیں۔

۱) ان لوگوں سے انتقام لینا جن کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ انھوں نے گیارہ ستمبر کے خودکش دھماکوں کی منصوبہ بندی اور مالی اعانت کی تاکہ نیویارک اور واشنگٹن کے شہری اور فوجی اہداف کونشانہ بنایا جاسکے۔(اس کے بعد انھوں نے ان خود کش حملوں کے تفصیلی اثرات بیان کیے ہیں. ساحل)

۲) ان عناصر کی بیخ کنی کرنا جوافغانستان اور دوسرے مقامات کو اپنی محفوظ پناگاہوں کے طور پر استعمال کرتے ہیں نیز ان حکومتوں کو روکنا جو ان کی پشت پناہی کرتی ہیں اور ان کو عسکری تربیت کے مواقع مہیا کرتی ہیں تاکہ وہ دنیا بھر میں اپنے مقاصد حاصل کرسکیں۔

۳) دنیا بھر میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے لیے مطلق العنان واحد طاقت کی حیثیت سے تعظیم وتکریم کو دوبارہ قائم کرنا۔ Restoring the venration and respect to the US as a super power in the world.[امام عبدالرشید نے عسکری یلغار کا تیسرا مقصد یہ بتایا ہے کہ امریکہ کی واحد مطلق العنان طاقت کی تکریم کی بحالی اور قرضاوی نے اس مقصد سے اتفاق کیا ہے. کیا ایک مسلم غیر مسلم طاقت کی مطلق العنانیت قائم کرنے کے لیے اپنی جان مال اور ایمان کی قربانی دے سکتا ہے. ساحل]

انھوں نے اپنے ان سوالات کا اختتام اس وضاحت پر کیا ہے کہ امریکی فوج کی تینوں شاخوں میں ۱۵ ہزار سے زائد مسلمان عسکری خدمات انجام دے رہے ہیں لہذا اگر وہ اس فوج کشی میں شرکت سے انکار کرتے ہیں تو ان کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں رہ جائے گا کہ وہ امریکی فوج سے مستعفی ہوجائیں۔ جس کے نتیجے میں

انھیں متعدد دوسرے شدید نقصانات بھگتنے کا شدید اندیشہ ہے۔ آخر میں انھوں نے یہ بھی استفسار کیا ہے کہ آیا وہ لوگ میدان جنگ سے تبادلہ کرواسکتے ہیں کیا انھیں اس بات کی اجازت ہے کہ وہ ایسے عہدوں پر اپنا تبادلہ کروالیں جس کا تعلق براہ راست جنگ سے نہ ہو۔

جواب: اللہ کی تعریف اور اس کے نبیؐ پر درود کے ساتھ ہمارا موقف اس طرح ہے: یہ سوال نہ صرف بہت اہم ہے بلکہ ایک پیچیدہ مسئلے کی طرف نشاندہی کرتا ہے بالخصوص ہمارے ان مسلمان بہن بھائیوں کے لیے جو امریکی فوج میں یا اسی قسم کی دوسری افواج میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

تمام مسلمانوں کو ان لوگوں کے خلاف متحد ہو جانا چاہیے جو کہ معصوم لوگوں کو دہشت زدہ کرتے ہیں اور بغیر کسی وجہ کے نہتے لوگوں کے قتل کی اجازت دیتے ہیں۔ اسلام نے خون بہانے اور دوسرے کی جائیداد تباہ کرنے کی قیامت تک کے لیے ممانعت کردی ہے۔ **[وہ کون لوگ ھیں جو دھشت زدہ کرتے ھیں ان کا حدود اربعہ کیاھے؟ مسلمان کس طرح متحد ھوں؟ معصوم کون ھے اور دھشت گرد کون اس کا فیصلہ کون کرے گا، ساحل]**

فرمان الٰہی ہے: ''اسی وجہ سے بنی اسرائیل پر ہم نے یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ ''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کردیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔ مگر ان کا حال یہ ہے کہ ہمارے رسول پے در پے ان کے پاس کھلی ہدایت لے کر آئے پھر بھی ان میں بکثرت لوگ زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں''۔ (۳۲:۵ مائدہ آیت ۳۲) **[اس آیت کی رو سے زندگی بخشنے والا کون قرار پاتا ھے؟ ساحل]**

لہٰذا مندرجہ بالا آیات سے روگردانی کرنے والا مجرم کہلائے گا اور اپنے جرم کی مناسبت سے سزا کا حق دار ہوگا۔ اسے اپنے فساد اور غلط روی کے نتائج بھگتنے ہوں گے۔ **[مجرم کو عدالت نامزد کرے گی یا کوئی بھی فریق خود کسی کو مجرم قرار دے کر اس کو سزا دینے کا اختیار رکھتا ھے کیا عدالت قائم کیے بغیر سزا کا اطلاق ھوسکتاھے؟ عدالت کون قائم کرے گا مجرم پر جرم ثابت کیے بغیر اور مقدمہ چلائے بغیر سزا دینے کا اختیار متاثرہ فریق کو کس قانون کے تحت حاصل ھے اس بات کا تعین کون کرے گا کہ اصل مجرم کون ھے؟ کسی فریق کا صرف یہ اعلان کہ فلاں شخص مجرم ھے کس قانون کے تحت جائز ھے. ساحل]**

امریکی مسلح افواج میں موجود ہمارے مسلمان بھائیوں کو چاہیے کہ وہ اپنے افسران بالا پر اور اپنے

ساتھیوں پر اس معاملے میں واشگاف الفاظ میں اپنا موقف واضح کر دیں اور اس معاملے میں خاموشی اختیار کرنے سے گریز کریں۔ انھیں حقیقی اسلامی تعلیمات سے آگاہ کریں جو کہ مغربی ذرائع ابلاغ سے مسخ کر کے پیش کی جا رہی ہے۔

امریکہ میں دہشت گردی کے جو واقعات رونما ہو رہے ہیں انھیں اسلامی قانون اور فقہ کی رو سے دیکھا جائے تو حرابہ (معاشرہ کے خلاف جنگ) کا جرم تصور کیا جائے گا۔ اور اس کا اطلاق ان جرائم کے مرتکب افراد پر ہوگا۔ اللہ سبحان تعالیٰ کا فرمان ہے: ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں میں کاٹ دیے جائیں یا وہ جلا وطن کر دیے جائیں۔ یہ ذلت و رسوائی تو ان کے لیے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔ مگر جو لوگ توبہ کر لیں قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ [سورۂ مائدہ ۳۳-۳۴] **[مجرموں کے جرم کا فیصلہ کون کرے گا ہاتھ پائوں کاٹنے کی اجازت کسے دی گئی ہے؟ یہ اجازت مسلمان حکومت کو دی گئی ہے یا امریکہ کو کیا شریعت پر عمل درآمد کی ذمہ داری کفار کو دی گئی ہے؟ جرم کے تعین اقرار شہادتوں کے بغیر مجرم کے ہاتھ پائوں کاٹنے کی اجازت ہے. دنیا بھر میں فحاشی پھیلانے والے قتلو تقتیلا کے تحت حرابہ کے مجرم ہیں یا نہیں ان کے لیے کوئی فتویٰ دیا گیا ہے؟ یورپ اور امریکا منظم پیمانے پر فحاشی پھیلا رہے ہیں جو فساد فی الارض ہے اس پر کوئی فتویٰ کبھی نہیں آیا. ساحل]**

لہٰذا ہمیں ان جرائم کا ارتکاب کرنے والے حقیقی مجرموں کو جاننا ہوگا اس کے ساتھ ہی ان افراد کے متعلق معلومات حاصل کرنی ہوگی جو دہشت گردی کی تحریک دیتے ہیں اور اس کے بدلے میں معاشی اور دیگر ترغیبات فراہم کرتے ہیں۔ ایسے افراد کو لازمی طور پر انصاف کے کٹہرے میں لانا ہوگا اور غیر جانبدار عدالتوں کے ذریعے ان کو سزا دلوانی ہوگی اس طرح یہ عمل ان کے اور دوسروں کے لیے سبق ہوگا جو کہ معصوموں کو ناحق قتل کرتے ہیں املاک تباہ کرتے ہیں اور لوگوں کو دہشت زدہ کرتے ہیں۔ **[جب غیر جانبدار تو کیا جانبدار عدالت بھی قائم نہ ہوئی اصل ملزم پکڑے نہیں گئے جن پر الزام لگایا گیا وہ ہاتھ نہیں آئے تو کیا معصوم آبادیوں پر بمباری کی اجازت ہے چند مجرموں کے لیے لاکھوں لوگوں کو قتل کیا جاسکتا ہے. ساحل]** لہٰذا یہ تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ دامے، درمے، سخنے ان کوششوں میں حصہ لیں اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق: ''نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور بدی کے

کاموں میں کسی کی مدد نہ کرو'' [سورۂ مائدہ، آیت ۲]، [مجرموں کو جانے بغیر معلومات کے حاصل کیے بغیر انصاف کے کٹھرے میں لائے بغیر اور عدالتوں کے بغیر فوج کشی میں مسلمانوں کو شمولیت کی اجازت کیسے دی گئی؟ ساحل]

دوسری طرف امریکی مسلمان فوجی مردوں اور عورتوں میں بے چینی کی اصل وجہ یہ احساس ہے کہ وہ دوسرے مظلوم مسلمان بھائیوں کے خلاف جنگ میں حصہ دار ہوسکتے ہیں۔ اصل مجرمین (جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے) اور معصومین (جنھوں نے کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا) کے درمیان تفریق کرنا مشکل ضرور ہے مگر نا ممکن نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''جب دو مسلمان آپس میں لڑیں اور ان میں سے ایک قتل ہوجائے تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔'' کسی نے کہا یہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ قاتل جہنم میں جائے مگر مقتول کیوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیوں کہ وہ دوسرے کو قتل کرنا چاہتا تھا''۔ (بخاری و مسلم) [معصومین کو خون ریزی سے بچانا کس کی ذمہ داری ہے؟ کیا ایک مجرم کے لیے ہزاروں معصوموں کو قتل کیا جاسکتا ہے؟ ساحل]

یہ حدیث صرف اس صورتحال سے متعلق ہے جب کوئی مسلمان اپنے افعال کا خود ذمہ دار ہو اور لڑنا یا نہ لڑنا اس کے اختیار میں ہو۔ یہ حدیث اس صورتحال کی طرف اشارہ نہیں کرتی جس میں ایک مسلمان کسی غیر مسلم ریاست کا شہری ہو اور اس کی فوج کا حصہ ہو اور اس کے پاس احکامات کی بجا آوری کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔ [یہ مفروضہ کیسے گھڑ لیا گیا کہ امریکی مسلم فوجیوں کے پاس احکامات کی بجا آوری کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، اگر ایسا ہو تب بھی ہجرت کس لیے رکھی گئی ہے اللہ کے احکامات کے سامنے کافرانہ احکامات کی کیا حیثیت ہے حضرت یوسفؑ نے قید کیوں قبول کرلی اصحاب کہف غار میں کیوں پناہ گزیں ہوئے؟] دوسری صورت میں اس کی ریاست سے وفاداری اور لگاؤ مشتبہ ہوسکتے ہیں۔ اور یہ اس کے لیے نہ صرف نقصان کا باعث ہوسکتا ہے بلکہ اس کے شہری حقوق و مراعات بھی متاثر ہوسکتی ہیں۔ [دین کی تعلیمات اور ہجرت پر حقوق و مراعات کس شریعت کے تحت مقدم ہیں یہ فقہ مفادات کہاں سے اخذ کی گئی ہے۔ ساحل]

مسلمان فوجیوں کو لازمی طور پر اس جنگ میں اپنی ذمہ داریاں کو بغیر کسی بے چینی کے احساس کے ساتھ ''بلا امتیاز'' ادا کرنی چاہیے اس کی نیت سچ کا ساتھ دینا اور برائی کو شکست دینا ہو نیز ان کا مقصد معصوموں پر ہونے والے جبر کو روکنا اور مجرموں کو انصاف کے کٹہرے تک پہنچانا ہو۔ ان کو اس بات سے بے چین نہیں ہونا چاہیے کہ اس لڑائی کے کیا دوسرے اثرات ہوسکتے ہیں۔ کیوں کہ وہ اکیلے نہ تو اس پر قابو پا سکتے ہیں اور نہ ہی ان کو

ہونے سے روک سکتے ہیں۔[کیا عمل کا تعلق نتائج سے ھے اگر نتائج دست رس میں نہ ہو ں تو کوئی بھی عمل مبارک ہو جاتا ھے. ساحل]

نیز اللہ تعالیٰ کی نظر میں اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔اللہ تعالیٰ کسی مخلوق پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔لہذا مسلمان قاضیوں کا یہ خیال ہے کہ مسلمانوں سے ان چیزوں کے بارے میں سوال نہیں ہوگا جو ان کی دسترس سے باہر ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

''جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو''(سورۃ التغابن،آیت ۱۶)

محمد نبی کریم ﷺ کا قول ہے:''جو کچھ میں تمہیں کرنے کے لیے کہوں،اتنا ہی کرو جتنا کہ تم کر سکتے ہو''۔

مسلمان ایک جسد واحد کی طرح ہیں اگر ایک فرار کی راہ اختیار کرتا ہے اس کا نکلنا نہ صرف اس کے لیے بلکہ اس کے ملک میں پوری مسلمان برادری کے نقصان کا باعث ہوتا ہے اور یہاں پر تو لاکھوں کی تعداد میں مسلمان ہیں۔[اپنی نوکری بچانے کے لیے لاکھوں مسلمانوں کو ہلاک زخمی کرنا کس فقہ سے ثابت ھے. ساحل]

مزید یہ کہ اگر لڑائی اس کے لیے روحانی اور نفسیاتی تکلیف کا باعث بنتی ہے تو اسے یہ ذاتی تکلیف عظیم عوامی فلاح کے لیے برداشت کرنی چاہیے۔جیسا کہ فقہ کے قوانین بیان کرتے ہیں۔[غیرت دینی کو کچلنے کی اجازت شریعت نے عطا نھیں کی. ساحل]

اس سوالنامے میں امریکی مسلم افواج کے مسلم عساکرین جو پچھلی صفوں میں کام کرنے والے ہیں مثلاً امدادی کارروائی کا شعبہ اور اس سے متعلقہ افراد کے لیے سوال کیا گیا ہے کہ آیا وہ امدادی خدمات اور اس طرح کی دوسری ذمہ داریاں ادا کر سکتے ہیں یا نہیں۔اگر ان خدمات کی اجازت حکام کی طرف سے دی گئی ہیں اور اس میں امریکی فوجیوں یا امریکی مسلمان شہریوں کو نقصان کا کوئی احتمال نہیں ہے تو انھیں اس کی درخواست کرنی چاہیے لیکن اگر یہ درخواست ان کی وفاداری کو خطرے میں ڈالے،ان کو مشتبہ کرے یا ان کی حب الوطنی کو مشکوک کرے تو پھر انھیں یہ درخواست دائر کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔[اصل وفاداری اللہ کے قانون سے ھے یا اپنے مفادات سے اور ریاستی قانون سے اور حب الوطنی سے، اللہ کا قانون رسول کی شریعت مقدم ھے یا قوم پرستی اور حب الوطنی. ساحل]

مختصراً امریکی مسلمان فوجیوں کے لیے اس بات کی اجازت ہے اور یہ اجازت خدا کی مرضی کے مطابق ہے کہ وہ آئندہ درپیش لڑائیوں میں حصہ لیں خواہ وہ کسی کے بھی خلاف ہو جن کے بارے میں ان کا ملک فیصلہ کرتا ہے۔جنھوں نے ان کے خلاف دہشت گردی کا ارتکاب کیا ہے۔[عام جنگ کی اجازت دی

گـئـی هـے اس میـں کوئی تحدید عائد نهیں کی گئی فوج کشی کی اجازت عام هے، کسی عدالت کے بغیر جس کو مجرم قرار دیا جائے وہ مجرم هے. اگر مدینه و مکه پر بهی حمله هو تو مسلمانوں کا فرض هے که حمله کیا جائے، کس قاعدے کلیے کے تحت یه فتوی دیا گیـا هـے کـه آئـنـده هـر لـڑائی میں مسلمان اپنے مسلمان بهائیوں کے خلاف غیر مشروط حـصـه لیـں، اسـی کـا نام فقه ضرورت هے جو مغرب کے مفادات کی ترجمانی کرتی هے. ساحل]

اپنے ذہن میں وہ تمام مقاصد رکھتے ہوئے جن کی اس سے قبل وضاحت کی گئی ہے اپنے ملک سے اپنی وفاداری کو مشکوک نہیں بننے دینا چاہیے تا کہ متوقع عتاب سے بچا جا سکے۔[کیـا الله کے عتاب سے بچنا مسـلـمـان کے لیے اهم نهیں هے؟، اصحاب الاخدود کا واقعه قرآن میں کس لیے آیا هے؟، سـورۂ یٰسیـن کا وہ رجل رشید جو حق کی شهادت دیتے هوئے شهید هوگیا؟ اس کا کردار کیـا سبـق دیتـا هـے؟ اصـحـاب کهف نے کیوں هجرت کی؟ قرآن میں بار بار هجرت کے احکام کس لیے آئے هیں؟] یہ اصول اسلامی فقہ کے اصول کے مطابق بھی ہے کہ ضروریات، استثنیات سے بڑھ کر ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور اصول جو یہ کہتا ہے کہ بڑے نقصان سے بچنے کے لیے چھوٹے نقصان کو برداشت کر لیا جائے۔[حـضـرت یوسفؑ، اصحاب الاخدود، سورہ یٰسین کے شهید مرد مومن، اصحاب کهف کو یه اصول کیوں معلوم نه تها، انهیں بڑے نقصان سے بچنے کے لیے چهوٹا نـقـصـان برداشت کرنا چاهیے تها؟ مسلمان کا خون بهانا چهوٹا نقصان اور مستثنیات میں شـامـل هـے لیـکـن اپنی نوکری بچانا، ضرورت دینی هے. دین کی یه جدید تشریح یوسف قرضاوی کی فقه ضرورت کا کمال هے. ساحل]

اللہ بہتر جاننے والا اور علم رکھنے والا ہے۔

(۱) شیخ یوسف القرضاوی[اسلامی اسکالر اور چیئرمین سنہ اور سراۃ کونسل، قطر]، (۲) جج طارق البشری[اول نائب صدر برائے مملکتی کونسل، مصر]، (۲) ڈاکٹر محمد سید العوی[پروفیسر تقابل قانون اور شریعہ، مصر]، (۲) ڈاکٹر حشام الخیاط[شامی اسلامی مصنف اور کالم نگار] (۳) اکرم فہیم ہویدی[مصری اسلامی مصنف اور کالم نگار]

علامہ یوسف القرضاوی اور وسطانیہ مکتب فکر کے تمام جدیدیت پسند علماء اسلامی فقہ کی تاریخ سے ناواقف ہیں۔ وہ فقہ کے عظیم الشان سرمائے سے بھی نابلد ہیں جو ان کی جاہلیت جدیدہ کا پردہ چاک کر کے پورے

ماحول کو روشن بنا دیتا ہے۔

وسطانیہ فقہائے اسلام کے سامنے بے بس ہیں:

وسطانیہ مکتب فکر کے یوسف القرضاوی کی ''فقہ حقیقت'' فقہی احکامات کی دل پسند تعبیر پیش کرتی ہے، لیکن وہ فقہائے اسلام کے فقہی احکامات کے سلسلے میں ٹھوس دلائل سے فقہاء کی آراء کا رد نہیں کرتے مثلاً ابن کثیرؒ، ابن تیمیہؒ، قرطبیؒ، علامہ نوویؒ، ابن قدامہؒ، اوزاعیؒ، امام مالکؒ، امام شوکانی وغیرہ نے جہاد خودکش حملوں اتلاف نفس، اقدامی جنگ، طاقت ور حریف سے سپاہ مختصر کے ٹکراؤ، خروج گوریلا جنگ، قتال اور مختلف طریقہ ہائے جنگ وغیرہ کے ضمن میں جو استدلال کیے ہیں۔ علامہ یوسف قرضاوی نہ ان کا ذکر کرتے ہیں نہ ان کا رد کرتے ہیں اور نہ اس سلسلے میں ٹھوس دلائل دیتے ہیں۔ کیوں کہ فقہائے امت کے ٹھوس کام کے سامنے قرضاوی کی فقہ مفادات، فقہ ضرورت اور فقہ حقیقت بلکہ فقہ مغربیت اور الحاد کی کوئی علمی، عقلی، منطقی حیثیت نہیں ہے۔ ذیل میں جہاد اور خودکش حملوں کے حساس ترین امور سے متعلق اکابرین امت کا نقطۂ نظر، فتاویٰ آراء تفصیل سے پیش کیے جا رہے ہیں۔ یوسف قرضاوی اور جماعت وسطانیہ ان تمام آراء سے صرف نظر کر کے اپنی نئی فقہ پیش کرتے ہیں جو مغربی استعماریت کو سہارا عطا کرتی ہے، مجاہدین اسلام کی بیخ کنی کرتی ہے اور شریعت کے نام پر شریعت کو منہدم کرتی اور قرآن وسنت کے نام پر قرآن وسنت کو مسخ کرتی ہے۔ وسطانیہ کی نئی فقہ مغربی فکر وفلسفے کی اسلام کاری کا فریضہ انجام دیتی ہے اور مغرب کی غیر مشروط اطاعت کا پیغام عام کرتی ہے۔ وسطانیہ اپنی فقہ کے ذریعے دین کی پندرہ سو سالہ تعلیمات و روایات کو بدلنا چاہتے ہیں۔ ان کی فقہ ظالم حکمرانوں، شریعت کا مذاق اڑانے والے سربراہوں، غاصب حکام ان کے غاصبانہ احکام کی تعمیل کو قانون فطرت کا تقاضہ سمجھ کر مسلمانوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ مغرب کے سامنے سر جھکا کر اپنی بندگی کا اعلان کر دیں۔

حکمرانوں کے خلاف جنگ:

اور موجودہ زمانے میں جن لوگوں کے ساتھ جہاد و قتال کرنا واجب ہے ان میں سے وہ حکام اور سربراہان مملکت ہیں جو لوگوں کو اللہ کے نازل کردہ قرآن کے خلاف حکم دیتے ہیں اور مسلمانوں سے لڑتے ہیں اور اہل کفر، یہود ونصاریٰ سے دوستی کرتے ہیں۔ [البدایہ والنہایہ، الاستشہادیہ فی الاسلام، صفحہ ۹]

ابن کثیر رحمہ اللہ علیہ نے ایسے حکام اور سربراہان مملکت کے ساتھ جہاد وقتال واجب ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔

دینی احکام پر تنقید کرنے والے:

''احکام القرآن للقرطبی'' میں ہے کہ بعض علماء کرام نے سورہ توبہ کی آیت ۱۲ سے اس بات پر

استدلال کیا ہے کہ جو شخص دین میں عیب نکالتا ہے، یا دین کی برائی بیان کرتا ہے یا دینی احکام پر تنقید کرتا ہے وہ کافر ہے۔ **کل من طعن فی الدین، اذھو کافر** اس کو قتل کرنا واجب ہے۔ دین میں عیب نکالنے سے مراد دین کی طرف ایسی چیز کو منسوب کرنا ہے جو دین کی شان کے مطابق نہیں، یا دین کے کسی حکم کو حقیر سمجھتے ہوئے اس پر اعتراض کرتا ہے تو یہ کفر ہے۔ کیونکہ دین کے اصول وفروع قطعی دلیل سے ثابت ہیں۔[احکام القرآن للقرطبی ج۔۸،ص۸۲،الھیبۃ المصریۃ العامۃ للکتاب]

سورہ توبہ کی آیت ۱۲ اور ائمۃ قریش:

علامہ قرطبی مزید آگے رقمطراز ہیں کہ بعض علماء کرام کے نزدیک ائمۃ الکفر سے ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف جیسے بڑے بڑے قریش کے سردار مراد ہیں۔ لیکن یہ قول کمزور ہے کیونکہ سورۂ برأت فتح مکہ اور غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوئی اور اس وقت قریش کا کوئی سردار باقی نہیں تھا یا تو اسلام قبول کر لیا تھا یا جہنم رسید ہو گیا تھا اور آیت کا مصداق ایسے لوگوں کو قرار دینا جو اس وقت نہیں تھے، صحیح نہیں اور آیت نازل ہوتے وقت صرف مسلمان یا مصالحت کرنے والے تھے۔ لہٰذا ''ائمۃ الکفر'' سے وہ مسلمان یا مصالحت کرنے والا مراد ہے جو عہد توڑنے میں پیش قدمی کرتا ہے اور دین کے احکام میں عیب نکالتا ہے یا اعتراض کرتا ہے، تو یہی کفر کا اصل اور پیشوا ہے اور یہی ائمۃ الکفر ہے۔[**''فقاتلوا ائمۃ الکفر'' والعطن فی الدین یکون اصلا و رأسا فی الکفر، فھو من ''ائمۃ الکفر'' علی ھذا.**]

(احکام القرآن للقرطبی ج۔۸،ص۸۴،الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب)

اجماع: امامت کافر کے لیے نہیں:

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کوئی مسلمان سربراہ کفر اختیار کرے۔ یعنی وہ ایسی بات کرے جس سے آدمی کافر ہو جاتا ہے تو ایسے سربراہ کو معزول کرنا بالاجماع واجب ہے۔ جیسا کہ شرح مسلم شریف میں ہے:

علماء کرام کا اجماع ہے کہ امامت کافر کے لیے منعقد نہیں ہوتی (کافر مسلمان کا سربراہ نہیں بن سکتا) اسی طرح وہ مسلمان سربراہ جس پر کفر طاری ہوا ہے، وہ معزول ہے، ولایت وسربراہی کے حکم سے نکل گیا ہے۔ اس کی اطاعت وفرمانبرداری ساقط ہو جاتی ہے اور مسلمانوں پر اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا اور اس کو امامت وسربراہی کے منصب سے اتارنا واجب ہے۔[صحیح مسلم شرح النووی ۱۲۵/۲ قدیمی کتب خانہ]

دین کا مضحکہ اڑانے والا حکمراں:

ایسا امام جو حلال کو حرام ٹھہرائے اللہ کی آیات کا مذاق اڑانے والوں کے ساتھ گہرے روابط رکھے یا

ایسے لوگوں کی سرپرستی کرے جو شعائر دین کا مذاق اڑاتے ہوں ان کے بارے میں علامہ ابن تیمیہؒ نے کہا:

والانسان متی حلل الحرام المجمع علیه او حرم الحلال المجمع علیه او بدل الشرع المجمع علیه کان کافر امرتدا باتفاق الفقهاء. [مجموع الفتاوی......ج:۳،ص:۲۶۷]

جب انسان یقینی حرام کو حلال قرار دیتا ہے یا یقینی حلال کو حرام قرار دیتا ہے یا متفقہ شریعت کے حکم کو بدلتا ہے تو وہ بالاتفاق تمام فقہاء کرام کے نزدیک کافر اور مرتد ہو جاتا ہے۔[اس تعریف میں وہ تمام حکمران اور جدیدیت پسند بھی آجاتے ہیں جو دین کے احکامات کی نئی تشریح کر رہے ہیں، علماء کی توہین کر رہے ہیں، حرام کو حلال قرار دے رہے ہیں. اسلامی سزاؤں کو رد کر کے نئے قانون اختیار کر رہے ہیں، سودی کاروبار کو اسلامی رنگ دے رہے ہیں اور مسلمانوں کے اجتماعی مفادات کے لیے کیے جانے والے ہر فیصلے اور طریقے کو ناکام بنانے میں دل و جان سے کوشاں ہیں.]

علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

قوله "انكم اذا مثلهم" يعني ان جالستم من يكفر بآيات الله و يستهزأ بها و انتم تسمعون فانتم مثلهم.

اگر تم ان لوگوں کے ساتھ مل کر بیٹھے ہو جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ان کے ساتھ مذاق کرتے ہیں، اور تم سنتے ہو، تو تم بھی ان کے مانند ہو۔[ٹی وی کے مختلف پروگراموں میں خصوصاً ٹاک شوز میں اجهل لوگ دین پر اعتراض کر رہے ہیں اور علماء کی موجودگی میں دین کا مضحکہ رواداری کے نام پر برداشت کیا جاتا ہے. قومی و عالمی اجتماعات میں مقتدر لوگ علماء کو دین کی نئی تشریح کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں. مثلاً علماء سے کہا جا رہا ہے کہ وہ حدزنا کے سلسلے میں اسلامی احکامات پر نظرثانی کریں تاکہ زانیوں کو سزا دینا ممکن ہو.]

ترک جہاد: عبرت ناک انجام

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ کے قول "كتب عليكم القتال و هو كره لكم" کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: کہ حضرت ابوعبیدہ کی بات بالکل صحیح ہے۔ اس میں کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ جیسا کہ اندلس کے شہروں میں ایسا ہی اتفاق ہوا ہے کہ اندلس والوں نے جہاد کو ترک کر دیا، لڑے نہیں، بزدل ہو گئے اور کثرت سے لوگ شہر سے بھاگ گئے اور دشمن تمام شہروں پر غالب اور قابض ہو گئے اور مسلمانوں پر مسلط

ہو گئے حالانکہ وہ کیسے عظیم شہر تھے پھر مسلمانوں کو قتل کیا، قیدی بنایا جلا وطن کیا، جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈالا، اور مسلمانوں سے غلاموں والا سلوک کیا"انا اللہ و انا الیہ راجعون" یہ ہمارے کرتوتوں کا نتیجہ تھا(یعنی جہاد ترک کرنے کی سزا تھی)۔[تفسیر قرطبی، ج ۳، ص ۳۹، الھئیۃ المصر یہ العامۃ الکتاب]

چاروں ائمہ کا اجماع: دشمن پر درانہ حملہ

علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ:

روی مسلم فی صحیحه قصة اصحاب الاخدود و فیها: ان الغلام امر بقتل نفسه لاجل مصلحة ظهور الدین، ولهذا جوز الأئمة الاربعة ان ینغمس المسلم فی صف الکفار وان غلب علی ظنه انهم یقتلونه، اذا کان فی ذلک مصلحة للمسلمین، فاذا کان الرجل یفعل ما یعتقد انه یقتل به لاجل مصلحة الجهاد، مع ان قتله نفسه اعظم من قتله لغیره کان ما یفضی الی قتل غیره لاجل مصلحة الدین التی لاتحصل الابذلک، ودفع ضرر العدو المفسد للدین و الدنیا الذی لایندفع الابذلک اولی.

(مجموع الفتاویٰ......ج:۲۸،ص:۵۴۰)

دشمن کو شکست دینے کے لیے اصحاب الاخدود کے طریقے کی پیروی سے جنگ کے کئی طریقے مستنبط کیے جاسکتے ہیں اور ان کا اطلاق عہد حاضر میں کیا جاسکتا ہے۔

کیا اتلاف نفس کی اجازت ہے؟

جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں ہے:

واستدل به الشیخ محمد بن ابراهیم آل الشیخ علی صورة أخری من اتلاف النفس لمصلحة الدین وهی قتل الاسیر نفسه خشیة ان یوح باسرار المسلمین. (العلمیات الاستشهادیه فی الاسلام صفحه ۲۷)

دو مصیبتوں میں سے آسان مصیبت کا اختیار:

کہ اگر کوئی شخص دو مصائب میں گرفتار ہو گیا اور ان میں سے کسی ایک مصیبت کو اختیار کرنا لازمی ہے تو اس صورت میں جو مصیبت آسان ہے اس کو اختیار کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔اصحاب الاخدود کے واقعے میں غلام کے عمل کا تعلق کیا ہماری شریعت سے ہے؟ صحیح مسلم کی کتاب الزہد میں اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے کیا اصول اخذ کیا جاسکتا ہے؟ امام غزالی ایسے معاملات میں فرماتے ہیں:

اگر کسی جگہ پر سابقہ شریعت کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد سکوت اختیار کیا۔مخالفت اور موافقت میں کچھ

ذکر نہیں کیا تو وہ بھی ہماری شریعت میں معتبر ہے۔

لان حکایته مع السکوت علیه یعبتر من باب الاقرار له (المستصفی للغزالی......صفحہ۱۳۲)

کیا دشمن سے میدان جنگ میں لڑنا ضروری ہے؟

ابن المنیر نے کہا کہ ''الحرب خدعة'' کا معنی عمدہ جنگ جس میں لڑنے والوں کو کامل طور پر مقصد حاصل ہوتا ہے وہ دھوکہ اور حیلہ سے جنگ کرنا ہے نہ کہ روبرو اور دوبدو جنگ، کیونکہ دوبدو جنگ میں نقصان کا خطرہ بہت زیادہ ہوتا ہے اور دھوکہ دے کر جنگ کرنے میں نقصان کے بغیر کامیابی حاصل ہوتی ہے۔[فتح الباری...... ج:٦،ص:٩٥، کتاب الجہاد والسیر باب الحرب خدعة دارالکتب العلمیة] شب خون وغیرہ میدان جنگ میں ہی نہیں مارے جاتے، دشمن کی قوت توڑنے کے لیے مختلف طریقے حالات وزمانہ کی رعایت سے اختیار کیے جاسکتے ہیں۔

دشمن سے جنگ کا محفوظ ترین طریقہ!

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں اصل دھوکہ یہ ہے کہ جو ظاہر کیا جائے اس کے خلاف کرنا۔اس حدیث میں اس بات پر آمادہ کیا گیا ہے کہ ممکنہ حد تک دوبدو لڑائی سے احتراز کرے اور مکمل احتیاط سے کام لے اور کفار کے خلاف دھوکہ دہی کی ترغیب ہے اور جو شخص لڑائی میں بیدار مغزی، حاضر دماغی اور ہوشیاری سے کام نہیں لیتا، اس کے لیے معاملہ برعکس اور الٹا ہونے کا خوف ہے۔[فتح الباری، ج٦،ص:٩٥، باب الحرب خدعة دارالکتب العلمیة] جب دشمن طاقت ور ترین ہو تو جنگ کا محفوظ طریقہ اختیار کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔لہٰذا شب خون کی مختلف شکلیں خود بہ خود جائز ہو جاتی ہیں۔

اتلاف نفس: خودکشی کیا ہے؟

ھو ان یقتل الرجل نفسه بقصد منه للقتل فی الحرص علی الدنیا و طلب المال اوقتل النفس فی غضب او ضجر. [تفسیر القرطبی تبصرف......ج۵،ص۱۵٦،۱۵۷،الھیئة المصریة العامة للکتاب]

انسان خودکشی کے مقصد سے اپنے آپ کو قتل کرے، دنیا کی حرص اور مال کی طلب کی وجہ سے یا غصہ یا پریشانی کی وجہ سے خودکشی کرنا۔بعض فقہا اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ محض دیناوی مقصد سے اپنا قتل خودکشی ہے اور اگر اخروی مقصد سے قتل نفس کرے تو وہ خودکشی میں داخل نہیں اس کا حکم الگ ہے۔

ائمہ اربعہ: شہید کون ہے؟

احناف کے نزدیک شہید کی تعریف یہ ہے:

بـانه من قتله المشركون او وجد مقتولا فى المعركة و به اثر اى جراحة ظاهرة او باطنة كخروج الدم من العين اونحوها. [عنایہ مع فتح القدیر،۱۰۳/۲، المکتبۃ الرشیدیہ کوئٹہ]

شہید وہ ہے جس کو مشرکوں نے قتل کیا ہے یا میدان جنگ میں مقتول پایا گیا ہے اور اس میں ظاہری یا باطنی طور پر زخم کی نشانی ہے۔ باطنی زخم کا نشان مثلاً آنکھ وغیرہ سے خون نکلنا۔

علامہ زیلعیؒ نے تبیین الحقائق میں یہ تعریف کی ہے:

كـل من صار مقتولا فى قتال اهل الحرب او البغاة او قطاع الطريق بمعنى مضاف الـى الـعـدو كـان شهيـدا بالمباشرة او التسبب، وكل من صار مقتولا بمعنى غير مضاف الى العدو لايكون شهيدا. [تبیین الحقائق للزیلعی بتصرف......ج:۱،ص:۵۹۰، ایچ ایم سعید] شہید کی تعریف فقہ مالکی کی کتاب الشرح الکبیر للدردیر، ج:۱،ص:۴۲۵ فقہ شافعی میں، فتح الباری...... ج:۶،ص۱۲۹ اور مغنی المحتاج......ج:۱،ص۳۵۰ پر تفصیل سے موجود ہے۔

حنابلہ کی تعریف کشاف القناع، ج:۲،ص۱۳۳ پر درج ہے۔ تین ائمہ کے نزدیک شہید کا دشمن کے ہاتھ سے قتل ہونا ضروری نہیں یعنی یہ مکاتب فکر اتلاف نفس کو شہادت کا قائم مقام سمجھتے ہیں۔

البدایہ والنہایہ کا استدلال: اتلاف نفس کیا جائز ہے؟

چاروں فقہ کی کتابوں میں شہید کی جو تعریف کی گئی ہے اس میں احناف کے سوا مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک شہید ہونے کے لیے دشمن کے ہاتھ سے قتل ہونا ضروری نہیں۔

امام حافظ ابو الفداء اسماعیل بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''البدایۃ و النہایۃ'' میں لکھا ہے کہ جب کفار نے ۵۸۷ھ میں ''عکا'' نامی شہر سلطان صلاح الدین ایوبی سے لڑائی کر کے چھین لیا تو لڑائی کے دوران ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ کمک کے لیے آنے والے مسلمانوں کے جہاز کو کفار نے روک لیا۔ اس میں چھ سو اعلیٰ درجے کے مسلمان بہادر جنگجو سوار تھے۔ گھیرے میں آنے کے بعد انھیں غرق ہونے یا قتل ہونے کے سوا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ لہٰذا انھوں نے ہر طرف سے جہاز میں سوراخ کر دیئے، جہاز غرق ہو گیا۔ کفار کے ہاتھ کچھ سامان نہ آیا۔ [البدایۃ والنہایۃ، فصل کیفۃ اخذ العدو ''عکا'' من ید السلطان......ج:۱۲،ص:۴۱۷] اس واقعے سے اتلاف نفس کی شرعی حیثیت کا تعین ہو جاتا ہے۔ اس کا دوہرا فائدہ بھی ہے۔ پہلا فائدہ دشمن اور کافروں کے ہاتھ سے قتل نہ ہوتا نہ ان کے ہاتھوں گرفتار ہوتا، دوسرا فائدہ دشمن کافروں کو مسلمانوں کے مال و دولت اور ہتھیار وغیرہ سے محروم کرنا، تیسرا فائدہ یہ کہ اگر اس جہاز کو تباہ کرتے ہوئے دشمن سے ٹکرانا ممکن ہوتا تو دشمن کا زبردست جانی نقصان ہو سکتا تھا۔ لیکن مجاہدین کو اس کا موقع نہ ملا۔

ابن التینؒ نے کہا کہ تمام علماء کرامؒ اس بات پر متفق ہیں کفر پر قتل کو ترجیح دینا بہتر ہے۔

وقد اجمعوا علی جواز تقحم المھالک فی الجھاد [فتح الباری......ج:۱۲،ص۳۹۱، دارالکتب العلمیہ]

اور البتہ تحقیق علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ جہاد میں موت و ہلاکت کی جگہ میں گھس جانا جائز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ مدرک بن عون نے حضرت عمرؓ سے کہا میرا ایک پڑوسی ہے اس نے اپنے آپ کو لڑائی میں ڈال دیا اور قتل کر دیا گیا، لوگوں نے کہا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا لوگوں نے جھوٹ کہا کیونکہ اس نے دنیا کے بدلے آخرت کو خریدا۔ [فتح الباری کتاب التفسیر، ج۸،ص۲۳۴، رقم:۴۵۱۶ دارالکتب العلمیہ]

کیا فتح کے لیے خودکشی جائز ہے؟ فقہاء کا مؤقف

علامہ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب ''الاصابہ فی تمیز الصحابہ'' میں لکھا ہے:

ابو اسحاق سے روایت ہے کہ جنگ یمامہ کے دن مسلمان مشرکوں کی طرف آہستہ آہستہ پیش قدمی کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ مشرکوں کو ایسے ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا جس میں اللہ کا دشمن مسیلمۃ الکذاب تھا۔ حضرت براء بن مالکؓ نے کہا: اے مسلمانوں کی جماعت، مجھے اس باغ کے اندر ڈال دیں۔ لوگوں نے حضرت براء بن مالکؓ کو اٹھایا، یہاں تک کہ دیوار تک پہنچ گئے، اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے اور ان سے اکیلے باغ کے اندر لڑتے لڑتے مسلمانوں کے لیے باغ کا دروازہ کھول دیا اور اللہ نے مسلیمہ کو قتل کر دیا۔ [الاصابۃ، ج:۱، ص:۱۴۳] حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ براء نے اپنے آپ کو دشمنوں پر پھینکا اور ان سے لڑے، یہاں تک کہ دروازہ کھول دیا اور ان کے جسم پر تلوار اور تیر کے ۸۰ سے زائد زخم تھے۔ [الاصابہ، ج۱، ص۱۴۸] اتمام الوفاء میں ''جسر'' کی لڑائی میں مسلمانوں اور ایرانی جنگجوؤں کے مابین ہاتھیوں کے باعث وحشت پیدا ہوئی تو ایک مجاہد نے اپنے گھوڑے کو مصنوعی ہاتھی سے مانوس کرا کے ایرانیوں پر حملہ کر دیا۔ اس پر رفقاء نے اعتراض کیا تو جواب دیا اگر مجھے قتل کر دیا جائے اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہو جائے تو کیا نقصان ہے۔ تفسیر قرطبی میں لکھا ہے **فقال لا ضیر ان اقتل ویفتح للمسلمین** [تفسیر القرطبی، ج۲،ص۳۶۳، الخفیہ المصریۃ العامۃ للکتاب]

مسلمانوں میں جرأت و بے خوفی پیدا کرنے کے طریقے:

جصاصؒ امام محمد بن الحسن الشیبانی سے نقل کرتے ہیں کہ اگر اکیلا آدمی ہزار آدمی پر حملہ کر دے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، جب کہ حملہ کرنے والے کو دشمن کی اذیت سے نجات یا دشمن کو زخمی یا مار ڈالنے کی امید ہو اور

اگر نجات کی امید نہیں اور نہ دشمن کو زخمی کرنے یا مار ڈالنے کی امید ہے تو میں اس شخص کے لیے اکیلے حملہ کرنے کو مکروہ سمجھتا ہوں، کیونکہ اس نے مسلمانوں کے فائدے کے بغیر اپنی جان کو ہلاک و برباد کرنے کے لیے پیش کیا ہے۔ بے شک کہ آدمی کے لیے اس قسم کا حملہ کرنا اس وقت مناسب ہے جب اس حملہ میں نجات یا مسلمانوں کے فائدہ کی امید ہو۔

اور اگر نجات کی امید بھی نہیں اور دشمن کو زخمی کرنے یا مار ڈالنے کی امید بھی نہیں، لیکن اس حملے سے مسلمانوں کو اس قسم کے حملے کے لیے جری اور دلیر بنانا مقصود ہے تاکہ دوسرے مسلمان بھی اس قسم کا حملہ کریں تو اس میں انشاء اللہ کوئی گناہ نہیں، کیونکہ اگر حملہ اس بھروسے پر کرتا ہے کہ دشمن میں کمزوری آجائے گی یا دشمن زخمی ہو جائے گا، اگرچہ نجات کی امید نہیں تو میں اس صورت میں بھی اکیلے آدمی کے ہزار آدمیوں پر حملہ کر دینے کو جائز سمجھتا ہوں۔ [احکام القرآن للجصاص، ج ۱، ص ۳۱۸، ۳۱۹، دار الکتب العلمیہ]

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام محمد بن الحسن شیبانیؒ نے فرمایا، اگر اکیلا آدمی مشرکوں کے ہزاروں آدمیوں پر حملہ کر دے تو اس میں کوئی گناہ نہیں، جب حملہ کرنے والے کو نجات یا دشمن کو مار ڈالنے کی خواہش ہو، اگر ایسا نہیں تو مکروہ ہے، کیونکہ اس نے مسلمانوں کے کسی قسم کے فائدے کے بغیر اپنی جان کو ہلاک کرنے کے لیے پیش کیا ہے اور اگر حملہ کرنے والے کا مقصد حملہ کرنے سے یہ ہے کہ مسلمان کافروں پر اس قسم کے حملے کے لیے جری اور دلیر ہوں اور وہ بھی کافروں پر اسی طرح حملہ کریں، جیسا کہ اس نے کیا ہے تو یہ جائز ہے۔ [تفسیر القرطبی، ج ۲، ص ۳۶۴، الھتیہ المصریۃ]

اکیلے آدمی کا لشکر کفار پر حوصلہ: ائمہ اربعہ
کفار پر دہشت طاری کرنا ضروری ہے!

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے بڑی عجیب بات لکھی ہے **وقد روی مسلم فی صحیحہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قصة اصحاب الاخدود و فیھا ان الغلام امر بقتل نفسہ لاجل مصلحة ظھور الدین، و لھذا جوز الائمة الاربعة ان ینغمس المسلم فی صف الکفار، و ان غلب علی ظنہ انھم یقتلونہ، اذا کان فی ذلک مصلحة للمسلمین...... فاذا کان الرجل یفعل ما یعتقد انہ یقتل بہ لاجل مصلحة الجھاد مع ان قتلہ لغیرہ کان ما یفضی الی قتل غیرہ لاجل مصلحة الدین التی لاتحصل الابذلک ودفع ضرر العدو المفسد للدین و الدنیا الذی لایندفع الابذلک اولی.** [مجموع الفتاویٰ......ج ۲۸، ص ۵۴۰]

صاحب فتح الباری شارح بخاری ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک حد سے

زیادہ بہادری دکھانے کے لیے یا دشمن پر دہشت طاری کرنے کے لیے اور مسلمانوں کو کافروں پر حملہ کرنے پر جری بنانے کے لیے اکیلے آدمی کا دشمن کے بھاری لشکروں پر حملہ کرنا جائز ہے۔

واما مسئلة حمل الواحد على العدد الكثير من العدو، فصرح الجمهو بانه ان كان لفرط شجاعته و ظنه يرهب العدو بذلك او يجرئ المسلمين عليهم او نحو ذلك من المقاصد الصحيحة فهو حسن ومتى كان مجرد تهور فممنوع ولا سيما اذا ترتب على ذلك وهن بالمسلمين. [فتح الباری، کتاب التفسیر حدیث رقم: ۴۵۱۶، ج:۸،ص ۲۳۵، دار الکتب العلمیہ]

جہاد میں اتلاف نفس کی اجازت:

بخاری شریف کی روایت جس کے مطابق حضرت رسول اکرمؐ نے امیر عاصم کی قیادت میں جاسوسی کی جماعت بھیجی تو قبیلہ ہدیل کے سوتیر اندازوں نے انھیں گھیر لیا۔ حضرت عاصم نے قتال کیا اور چھ ساتھیوں کے ساتھ شہید ہوئے بقیہ کو امان کے نام پر گرفتار کر لیا گیا۔ اس طویل حدیث سے چند نتائج اخذ کیے گئے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ گرفتاری دینا ضروری نہیں صبر کر کے آخری دم تک لڑنا چاہے تو لڑ سکتا ہے اس صورت میں بھی جان دینے والا شہید ہے۔

اور باقی تین صحابۂ کرام نے گرفتاری دے دی اور ایک نے کافروں کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور کافروں نے گھسیٹ کر لے جانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوئے اور وہیں شہید کر دیا۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان تین فریقوں کی بات آئی تو کسی ایک فریق کے کام کو ناجائز اور حرام نہیں فرمایا، اگر ان میں سے کسی فریق کا عمل صحیح نہیں ہوتا تو حضور ضرور تنبیہ فرماتے اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح گرفتاری دینے کی گنجائش ہے، اسی طرح صبر کر کے موت تک لڑنے کی بھی اجازت ہے بلکہ لڑنا ہی زیادہ بہتر ہے۔

علامہ شوکانی نے لکھا ہے:

فدل ترک الانکار على انه يجوز لمن لاطاقة له بعدوه ان يمتنع من الاسروان يستأسر. [نیل الاوطار......ج ۷،ص ۲۵۳]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی فریق کے عمل کو ناپسند نہ کرنا دلیل ہے کہ اگر کسی آدمی میں دشمن کو ہٹانے کی قدرت نہیں تو اس کے لیے گرفتاری دینے سے انکار کرنا اور گرفتاری دینا دونوں جائز ہیں۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا:

وفيه من العلم: ان المسلم يجالد العدو اذا ار حق ولا يستاسر له، ماقدر على

الامتناع منه. [معالم السنن......ج۴،ص۹،مطبوعہ دار المعرفہ]

اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ مسلمان دشمن سے بہادری کے ساتھ لڑتا رہے، جب دشمن اس کو ہر طرف سے گھیر لے اور دشمن کا قیدی بننے کے لیے اپنے آپ کو حوالہ نہ کرے، اور جہاں تک ممکن ہو قیدی بننے سے رکے۔

ابن قدامہ حنبلیؒ نے لکھا ہے کہ اگر مجاہد کو قید ہونے کا ڈر ہو تو گرفتاری نہ دے بلکہ لڑتے لڑتے شہید ہو جائے یہ زیادہ بہتر ہے جیسا کہ ''المغنی'' میں ہے۔

[المغنی لابن قدامہ کتاب الجہاد......ج:۸،ص:۴۸۳]

لہٰذا قیدی مجاہد کے لیے دوسرے مجاہدین اور ان کے سامان کو دشمنوں کے ہاتھوں سے بچانے کے لیے اتلاف نفس جائز ہوگا اور ایسا آدمی شہید ہوگا۔

خودکشی: شہادت: آسان موت

اگر دشمن نے مسلمانوں کی کشتیوں پر میزائل داغ دیا، یا ایسا گولا پھینکا جس سے بحری جہاز میں آگ بھڑک اٹھی، اب آگ بجھانا بھی ممکن نہیں اور وہاں سے نکل کر جان بچانے کی بھی کوئی صورت نہیں، اب ایسے میں لوگ کیا کریں، کیا اسی کشتی میں بیٹھے رہیں تاکہ جل کر مر جائیں یا سمندر میں چھلانگ لگا دیں اور وہاں غرق ہو کر مر جائیں، کیا کریں سامنے دو راستے ہیں دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر خطرناک ہیں اور موت یقینی ہے، ایسے میں ان کو اختیار ہے جو چاہیں کریں۔

جیسا کہ ''المدونۃ الکبریٰ للامام مالک میں ہے۔

قلت هو سحنون يسال شيخه ابن القاسم تلميذ الامام مالک، أزيت السفينة اذا احر قها العدو وفيها اهل الاسلام، ماكان مالک يكره لهم ان يطر حوا بانفسهم؟ وهل يراهم قداعانوا عانوا على انفسهم؟ قال يلغنى ان مالكا سئل عنه، فقال لاارى به بأسا انما فروا من الموت الى الموت. [المدونۃ للامام مالک روایۃ سحنون......ج۲،ص۲۵]

میں نے کہا، کہنے والا سحنون بن سعید ہے اور یہ اپنے استاد (امام مالکؒ کے شاگرد رشید) ابن القاسم سے کہا، کہ آپ کی کیا رائے ہے اس کشتی کے بارے میں جس کو دشمنوں نے آگ لگا دی اور وہ جل رہی ہے اور اس کشتی میں مسلمان ہیں، کیا امام مالکؒ مکروہ سمجھتے تھے کہ یہ لوگ دریا میں چھلانگ لگا دیں اور کیا یہ سمجھتے تھے کہ چھلانگ مار کر اپنی جان کی مدد کی۔

ابن القاسم نے جواب دیا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ امام مالکؒ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تھا اور

انھوں نے جواب دیا کہ میں اس میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں سمجھتا ہوں۔ بے شک کہ یہ لوگ ایک موت سے دوسری موت کی طرف بھاگ رہے تھے۔ امام اوزاعی نے فرمایا دونوں صورتوں میں موت ہے لہٰذا جو آسان محسوس ہواس کو اختیار کریں۔ ان حوالہ جات سے یہ معلوم ہوا کہ اگر دونوں جانب موت نظر آتی ہے تو جو بھی جانب چاہیں ترجیح دینا جائز ہے بلکہ جو آسان نظر آتا ہے اس کو اختیار کرنا بہتر ہے۔

عورتوں کے قتل کی اجازت:

بعض فقہاء کے خیال میں عورتوں کا جنگ میں بہت بڑا کردار ہے، مثلاً مال و دولت سے مدد کرنا، لڑنے کے لیے اشتعال دلانا، کبھی عورتیں بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ نوحہ کرتی ہیں، مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے فوجوں کو اشتعال دلاتی ہیں، اور بھاگنے سے شرم دلاتی ہیں یہ تمام چیزیں ان مخصوص عورتوں کے قتل کو مباح اور جائز کر دیتی ہیں۔ [تفسیر قرطبی، ج ۲، ص ۳۴۸، ط: بیروت الھئیہ المصر یہ کے مطابق اگر عورتیں لڑتی ہیں تو قتل کر دی جائیں گی، جنگ کے دوران بھی قتل کی جائیں گی اور جنگ کے بعد بھی یعنی جنگ چھڑتے وقت اور معرکہ ختم ہونے کے بعد بھی قتل کی جائیں کیونکہ اللہ کا فرمان عام ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت ۱۹۰ **وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم اقتلوھم حیث تقفنتموھم** [البقرہ: ۱۹۰]

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ حنین کے دن ایک (مقتول) عورت کے پاس سے گزرے، اور فرمایا اس عورت کو کس نے قتل کیا؟ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! میں نے اس کو قتل کیا، میں نے اس کو غنیمت میں حاصل کیا اور اپنے پیچھے رکھا، جب اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو رہی ہے تو اس نے مجھے قتل کرنے کے لیے میری کھڑی کی ہوئی تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا اور میں نے اس کو قتل کر دیا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے قتل پر نکیر نہیں کی اس حدیث کو طبرانی نے مرفوع کے ساتھ نقل کیا ہے۔ [مراسیل ابی داؤد......ص: ۱۵، وقد وصلہ الطبرانی فی الکبیر...... ج ۱۱، ص: ۳۸۸] [تلخیص الخبیر...... ج ۴، ص ۱۴۳۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کی لڑائی کے دن ایک عورت کو قتل کیا اس نے محمود بن سلمہ رضی اللہ عنہ پر چکی پھینکی تھی۔ [مغنی، ج ۹، ص ۳۰۹] فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ اگر کافر عورت اقدام کرے، لڑے تو اس کا قتل جائز ہوگا۔]

وہ حالات جب بوڑھے کا قتل بھی جائز ہوتا ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے فارغ ہوگئے تو آپ نے ایک دستے کے ساتھ ابو عامر رضی اللہ عنہ کو وادی اوطاس کی طرف بھیجا، اس معرکہ میں

''درید بن الصمہ'' سے مڈبھیڑ ہوئی، درید قتل کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لشکر کو شکست دی۔ [بخاری شریف کتاب المغازی باب غزوہ اوطاس، ج۲،ص۶۱۹، قدیمی] درید کی عمر سو سال سے زیادہ تھی، لڑنے کی قوت نہ تھی لیکن مشورے کے لیے کفار اسے ساتھ لائے تھے کیونکہ لڑائی میں بروقت مشورہ بھی جنگ کی صورت ہے لہٰذا بوڑھے آدمی کا قتل بھی جائز ہوگا کیونکہ لڑائی میں ایک تجربہ کار کا مشورہ لاکھوں فوجیوں کے مقابلے میں بھاری ثابت ہوسکتا ہے۔ [مغنی، ج۹،ص۳۰۲]

سنن بیہقی میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

لما حاصر رسول الله صلى الله عليه وسلم الطائف اشرفت امرأة فكشفت قبلها فقالت: هادونكم فارموا، فرماها رجل من المسلمين فما اخطأ ذلک منها. [سنن بیہقی...... ج۹،ص۸۲]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا تو ایک عورت بلند جگہ پر کھڑی ہوئی، اور شرم گاہ سے کپڑا ہٹا دیا اور کہا یہ لو اور اس میں تیر مارو، ایک صحابی نے تیر مارا اور سیدھا اس کی شرم گاہ میں پیوست ہوگیا۔ [سنن بیہقی، ج۹،ص۸۲]

[امام شافعیؒ نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف کے خلاف منجنیق (۱) اور عرادہ (۲) نصب کیے۔ حالانکہ ہمیں معلوم ہے کہ قلعہ کے اندر خواتین اور بچے بھی تھے۔] [الحاوی الکبیر......ج۱۴، ص/۱۸۳، دار الکتب العلمیہ]

یہ جیسا کہ مذکورہ ہوا کہ امام وقت کے لیے کافروں کے ساتھ ہر اس طریقے سے لڑنا جائز ہے جس میں کامیابی حاصل ہونا معلوم ہو مثلاً منجنیق اور عرادہ ان کے خلاف نصب کرے۔

شب خون میں سب کا خون مباح ہے: مذہب جمہور

حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقام ''ابواء'' یا ''ودان'' میں میرے پاس گزرے تو آپ سے پوچھا گیا کہ مشرکین کے جس قبیلے پر شب خون مارا جائے گا (گوریلا حملہ کیا جائے گا) کیا ان کی عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کرنا درست ہوگا؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بھی انھیں میں سے ہیں۔ [بخاری شریف، کتاب الجہاد، باب اہل الدار یتبیون فیصاب الولدان الخ، ج:۱،ص:۴۲۳، قدیمی]

ایک روایت میں آتا ہے آپؐ نے فرمایا وہ اپنے باپوں کے تابع ہیں۔

وفى رواية هم من آبائهم متفق عليه. [مشکوٰۃ باب القتال فی الجہاد، ج:۲،ص:۳۴۲،

قدیمی]

علامہ نووی نے لکھا ہے:

یہ جو ہم نے ذکر کیا ہے کافروں پر شب خون مارنا اور شب خون کے دوران ان کی خواتین اور بچوں کو مارنا جائز ہے، یہ ہمارا، مالکؒ، ابوحنیفہؒ، اور جمہور کا مذہب ہے۔[شرح مسلم للنوی......ج۲،ص۸۲]

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نصب منجنیقا اور عرادۃ علی اھل الطائف

(سنن بیہقی، ترمذی رقم: ۲۷۶۲، الحاوی الکبیر ج۱۴،ص۱۸۳، باب ماجاء فی اخذ للحیۃ) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف کے خلاف بڑی یا چھوٹی منجنیق نصب کی۔

ظاہر بات ہے کہ جب منجنیق سے حملہ کیا جائے گا تو اس کی زد میں سب آ جائیں گے چھوٹے، بڑے بوڑھے لوگوں میں امتیاز کرنا ممکن نہیں ہوگا۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا کہ اے اللہ کے رسول آپ مجھے بتائیں اگر ایک آدمی میرا مال لینے کی غرض سے آئے تو میں کیا کروں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اپنا مال اس کو نہ دینا۔ پھر پوچھا کہ اگر اس بارے میں وہ مجھ سے لڑے تو میں کیا کروں، آپؐ نے فرمایا تو بھی اس سے لڑ۔ پھر پوچھا کہ اگر وہ مجھے قتل کر دے یا میں اس کو قتل کر دوں تو؟ آپؐ نے فرمایا اگر وہ تجھے قتل کرے تو تو شہید ہے اور اگر تو اسے قتل کرے تو وہ آگ میں جائے گا۔[مسلم شریف کتاب الایمان، ج:۱ص:۸۱، باب الدلیل علی ان من قصد مال غیرہ بغیر حق الخ]

امام نوی رحمۃ اللہ نے ''من قتل دون مالہ فھو شہید'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

فیہ جواز قتل القاصد لاخذ المال بغیر حق سواء کان المال قلیلا او کثیر العموم الحدیث و ہذا قول جماہیر العلماء۔[مسلم شریف......ج:۱ص:۸۱،قدیمی]

کہ اس حدیث میں ناحق مال چھیننے والے کے قتل کے جواز کی دلیل ہے۔ خواہ وہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ۔ کیونکہ یہ حدیث عام ہے اور یہی قول جمہور علماء کا ہے۔ کسی مخصوص صنف کے قتل کی ممانعت نہیں کی گئی لہٰذا ناحق مال چھیننے والا کوئی بھی قتل کا مستحق ہے۔

وسطانیہ کے افکار و خیالات: جدیدیت کا نیا ظہور

محمد الغزالیؒ اور علامہ یوسف قرضاوی جیسے راسخ العقیدہ علماء کا نیا گروہ اپنے آپ کو New Islamic trend کے نام سے پکارتے ہیں اور اپنے مکتب فکر کو وسطانیہ [Centrist Islamic Mainstream] کہتے ہیں۔

اس گروہ نے جو عالم اسلام میں جدیدیت کی منفرد ترین لیکن خطرناک ترین قسم ہے ۱۹۸۰ء میں اپنا منشور مرتب کیا اور دانشوروں میں خاموشی سے خفیہ طور پر تقسیم کیا۔ ۱۹۹۱ء تک یہ منشور شائع نہیں کیا گیا، اس منشور کے ابتدائی مصنف کمال عبدالمغد تھے۔ بے ریش کمال عالمی سطح کے آئینی ماہر ہیں۔ یہ جامعہ قاہرہ میں قانون کے پروفیسر ہیں۔ اس گروہ کے سرکردہ اراکین میں بے ریش صحافی فہمی ہویدا، مورخ طارق البشری، [محمد الغزالی مرحوم] قرضاوی شامل ہیں۔ اس منشور کو غزالی یا قرضاوی نے مرتب نہیں کیا بلکہ مغربی فکر قانون سے مرعوب پروفیسر کمال نے مرتب کیا اور قرضاوی جیسے عالم نے اس سے اتفاق کیا۔ مغد نے کتاب A Contemporary Islamic Vision declaration Princples [دارالشرق قاہرہ] تحریر کی، جس پر ۱۹۹۶ء میں سید یاسین نے تنقید کی۔ الاہرام میں یہ تنقیدی مباحثے شائع ہوئے۔ جس میں سیکولر اسلام/ جدیدیت پسند مسلم/متشدد۔ مسلمانوں کے افکار و نظریات زیر بحث آئے۔

آج اسلام میں اصلاحات کا طریقہ کیا ہو؟ کیا سلگتے ہوئے ثقافتی، سماجی اور سیاسی سوالات و مسائل کے ضمن میں اسلامی جدیدیت ممکن ہے؟ مستقبل کا نقشہ کیا ہوگا؟ جس کا وعدہ وسطانیہ کے مفکرین کرتے ہیں۔

غزالی کے خیال میں اسلامی حکومت عقلیت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ایسی حکومت اپنے فرائض قرآن اور عقل کی روشنی میں انجام دیتی ہے۔ [مغرب کے Rationalism کا بچکانہ جواب ہے] جب کہ مغرب میں عقل کا مقام کانٹ کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا نہ جدیدیت کو سمجھے بغیر عقل کا مقام جانا جاسکتا ہے۔ مکتب غزالی کا خیال ہے کہ مغرب نے اپنی ''ترقی'' کے لیے اسلامی تہذیب کے مہیا کردہ سرمایے سے علم حاصل کیا خصوصاً سائنس اور طب میں اس کی ترقی اسلامی تہذیبی ترقی کے باعث ممکن ہوسکی۔] ان کا دعویٰ تھا کہ سیاسی اسلام کے ''ناراض طور طریقوں کے باوجود وسطانیائی جدید ماڈرن، لچکدار، خوف و خطر سے خالی، تصادم سے ماوراء، افہام و تفہیم مکالمے اور گفتگو سے مزین اسلام کو عالم عرب میں تیزی سے قبولیت حاصل ہو رہی ہے جس کے باعث مسلم نشاۃ ثانیہ جو مغربی آدرشوں سے متصادم نہیں ہے ممکن ہوگی۔ اسی کے نتیجے میں اسلام کا عروج ہوگا اور مغرب نے اسلام سے جو کچھ لیا ہے وہ اسلام مغرب سے واپس لے کر مغرب کو پیچھے چھوڑ دے گا اور سائنس ترقی فلاح کی راہ میں آگے نکل جائے گا۔

اس منزل کو آسان بنانے کے لیے وحی الٰہی سنت رسول اللہ اور فقہ اسلامی کی عقلی تشریح پر وسطانیہ اصرار کرتے ہیں۔ [اب تک جو تشریحات ہیں درست نہیں ہیں نئی تشریحات کی ضرورت ہے]

یہ مکتب فکر اس امر پر یقین رکھتا ہے کہ اسلام ایک دین سے زیادہ ایک تہذیب ہے جو تعمیری سماجی سرگرمیوں [Constructive Socialization] کی ضمانت ہے لہٰذا تمام رہنماؤں، علماء، مفکرین کی ذمہ

داری ہے کہ وہ ترقی [پروگریس] کے چیلنج کا سامنا کریں۔اس کے تخلیقی حل تلاش کریں جس کی بنیادیں اسلامی اقدار اور اصولوں میں پیوست ہوں۔[وسطانیہ والے پروگریس کی مغربی اصطلاح سے ناواقف ہیں]

اس گروپ کی بنیادی فکر محمد عبدہ اور جمال الدین افغانی سے مستعار ہے لہٰذا یہ گروپ وطن پرستی، قوم پرستی کے بارے میں نرم رائے رکھتا ہے اس گروہ کے دو مقاصد اسلام کی گہری اور زیادہ عقلی تشریح، اسلام کے سماجی اور سیاسی ڈھانچوں میں ضروری نوعیت کی تبدیلیاں شامل ہیں جو اسلام کو دین کے بجائے ایک تہذیب کے طور پر پیش کرتے ہیں اور جس کا تعلق ثقافت [کلچر] اور تعلیم [ایجوکیشن] سے ہے، Civilization Projects اسلام کی ریاست سے بے دخلی کو یقینی بناتا ہے۔وسطانیہ کی جدیدیت اسلامی علمیت کو پس پشت ڈال کر مغرب کی علمیت وجودیت، کونیات اور مابعدالطبیعیات کو من وعن قبول کر لیتی ہے۔کمال عبدالمغد کے الفاظ میں وسطانیہ عالمی گاؤں میں اسلام کی از سرِنو تشریح کا فریضہ انجام دینا چاہتے ہیں کیونکہ حالات زمانہ بدل گیا ہے اور دین کی نئی تعبیر کی ضرورت ہے، جو عالمگیر سطح پر قابل قبول ہو کیوں کہ:

When states peoples and cultural around the world are searching for common intellectual grounds and shared interests and seking civilizational rapprochement and culture cooperation for the sake of value like justice, freedom and respect for human right. [A contemporary Islamic Vision 1991, p.13]

ان سطور کے ذریعے وسطانیہ نے بتادیا ہے کہ اسلام اس عہد میں ایک اجنبی دین ہے مغربی دین کی روایات کی تصدیق اس کا واحد کام ہے۔

وسطانیہ مکتب فکر کی کلیدی کتابیں درج ذیل ہیں۔یہ انگریزی عربی میں دستیاب ہیں۔

A contemporary Islamic Vision: Declaration of principles [Cairo Daral Shungq 1991.]

The prophet's sunnah between the people of Fiqha and the people of Hadit. [Ghazali]

The battle of the Musshaf cairo [Nadhat Masr 1996.] [Ghazali]

Fiqha of prioritiries, A new study in the light of Quran and Sunnah Cairo Darul Wahba 1995. [Qazarvi]

وسطانیہ دہشت گردی کا اصل سبب عدل نہ ہونا اور غربت عدم ترقی کو قرار دیتے ہیں، اسے ٹھیک کیا جائے تو حقیقی عقیدہ اور امید سے رشتہ بندھ سکتا ہے۔

اسلام اور عقلیت: ایک سکے کے دو رخ

اسلام اور ریشنل ازم میں مکمل مطابقت ہے۔ عقل انسانی وحی الٰہی کی تعلیم میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ وہ اپنی نئی فقہ کا مدار عقل انسانی پر رکھتے ہیں جسے انسانی امور میں کلیدی مقام حاصل ہے۔ ان کے خیال میں عقل انسانی کے بغیر قرآن وسنت کا ادراک ممکن نہیں ہے۔ ان کی دلیل سورہ علق کی آیات میں ہے جس سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ اسلام ایک دور کا پیامبر تھا جو عقلیت، سائنس اور مسلمانوں کو ان امور میں قائدانہ صلاحیت عطا کرنے کے لیے آیا تھا۔ قرضاوی کے خیال میں:

قاہرہ بغداد قرطبہ نے دنیا کو روشن خیالی عطا کی:

قرضاوی کے خیال میں قاہرہ بغداد اور قرطبہ نے پوری دنیا کو روشن خیالی [Enlightenment] عطا کی [قرضاوی روشن خیالی کی تاریخ وفلسفے سے ناواقف ہیں۔ کیونکہ وہ فلسفے کے عالم نہیں نہ انھیں مباحث فلسفہ سے کوئی دلچسپی ہے۔] قرضاوی کے خیال میں کس قدر صدمے کی بات ہے کہ اسلامی تہذیب جس نے ایک ہزار سال تک سائنس کی روشنی دنیا کو دی کیسے پسماندہ اور تاریک خیال [ignoratn] جاہل ہوگئی۔ لوگ اس جہالت کا سبب اسلام کو گردانتے ہیں جب کہ اسلام پر یہ الزام کیسے لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام ہی وہ تہذیب ہے جس نے دنیا کو سائنس اور روشن خیالی [Enlighten] سے روشناس کرایا۔ اسلام میں کبھی بھی عقیدہ اور سائنس میں کوئی تصادم نہیں رہا۔ قرضاوی کہتے ہیں کہ سائنس مذہب ہے اور مذہب سائنس ہے۔ [قرضاوی جدید سائنس کی حقیقت، ماہیت، حیثیت، اصلیت سے بھی ناواقف ہیں، ان کی تحریروں میں سائنسی فلسفے کا کوئی شعور نظر نہیں آتا۔]

ایک گھنٹے کا تفکر ایک سال کی نماز سے بہتر ہے:

وسطانیہ کے خیال میں قرآن کا پیغام یہ ہے کہ انسان فکر میں آزاد ہے اور انسانیت کی بہتری کے لیے عقل پر انحصار کرے یہ لوگ [Humainism اور Freedom of expression کے مغربی نظریات سے ناواقف ہیں] وسطانیہ کے خیال میں ایک مسلمان کے لیے ایک گھنٹے کا تفکر ایک سال کی نماز سے بہتر ہے۔

سب سے افضل عمل: لوگوں کے کام آنا

وسطانیہ کا موقف ہے کہ دنیا مسلم کے لیے ایک مسجد ہے اور یہاں سب سے بہترین کام لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ اس طرح وسطانیہ نے دینی بنیادوں پر مادہ پرستی کی عظیم الشان عمارت تعمیر کر دی ہے جس میں داخل ہونے کے بعد کسی روحانیت کے احیاء کا امکان نہیں رہتا۔

ساحل اکتوبر ۲۰۰۵ء

مسلمانوں کے زوال کی وجوہات:

قرضاوی زوال ملت کے سیاسی اور معاشی اسباب بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پہلی وجہ نظام تعلیم کی ناکامی تھی جو تخلیقی اور آزادانہ فکر کی آبیاری، حوصلہ افزائی سے عاری تھا، دوسری وجہ پوری اسلامی دنیا میں آزادی کا مفقود ہونا جو آدمی آزاد نہیں ہے وہ بے کار اور دریوزہ گر ہے، دوسروں کا محتاج ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہمارا پیغام مشرق اور مغرب میں سب سے مختلف ہے۔ مصری قوم اسی وقت کامیاب ہوگی جب عہد حاضر کی ٹیکنالوجیکل معرکہ آرائی میں کامیابی حاصل کر سکے گی۔ [الوفد wafd ستمبر ۱۳/ ۱۹۹۶ء قرضاوی کا خطاب] [قرضاوی یہ نہیں بتاتے کہ مفقود آزادی کے باوجود آل فرعون نے اہرام جیسی عظیم الشان عمارتیں تعمیر کر دیں، چینی بادشاہتوں میں حیرت انگیز سائنسی ترقی ہوئی، صفویوں کی عسکری آمریت کے باوجود ایران میں بے پناہ ترقی ہوئی اور یونان، عراق اور ہندوستان میں مفقود آزادی کے باوجود عظیم الشان تہذیبیں جنم لیتی رہیں۔ لہٰذا ترقی، فلاح، مادی برتری کو فکر کی آزادی سے مشروط کرنے والے تاریخ سے بھی قطعاً ناواقف ہیں اور پیروی مغرب میں آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں۔ وہ یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ جہاد اسلامی کی فتوحات کا دائرہ جمہوریت کے دور میں نہیں، خلافت کے دور میں ہی وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا اسے کچھ سیاسی مسلم مفکرین ملوکیت کا دور بھی کہتے ہیں۔ اس تناظر میں بھی ملوکیت دائرہ اسلام کو وسیع کرنے کا باعث بنی اور اس ملوکیت کے دور میں ہی زبردست علمی، تمدنی، تہذیبی، ترقی مسلمانوں نے کی شبلی کی کتابیں اسی دور کو زندہ کرتی ہیں۔

فنون لطیفہ اور آرٹسٹ خدا کا عطیہ ہیں:

وسطانیہ ثقافتی انتشار اور فنون لطیفہ پر عائد قدغن کو تسلیم نہیں کرتا۔ اسے غیر اسلامی سمجھتا ہے اور تخلیقیت اور خوبصورتی کے فروغ کے لیے ثقافت اور فنون پر عائد فقہی بندشوں کو مسترد کرتا ہے۔ وسطانیہ مکتب فکر میں آرٹ اور آرٹسٹوں کو مغرب کی طرح کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ کمال عبدالمغد کے الفاظ میں آرٹسٹ کون ہے؟ وہ ہستی جسے خدا نے عطیہ خاص عطا فرمایا، وہ صلاحیت قابلیت جس کے ذریعے وہ مختلف اشیاء تجربات کو نہایت حساسیت کے ساتھ وصول کرتے ہیں اور اس کا اظہار اپنے فن کے ذریعے کرتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو اس حقانیت اور زرخیزی کے ساتھ پیش کرتے ہیں جو دوسروں کو عطا نہیں کی گئی۔ اسلام آرٹسٹوں کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

آرٹسٹ سب سے بہترین عبادت کرنے والا ہے:

وہ کہتے ہیں کہ عبادت کا ایک طریقہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مختلف النوع تحائف کی تعریف وستائش بھی ہے۔ آرٹسٹ سے بہتر اللہ کی عبادت کون کرسکتا ہے۔ [اس فہرست میں شاعر، مصور، ادیب وغیرہ شامل ہیں]

گانا موسیقی مصوری حلال ہے: وسطانیہ

اسلام نے آرٹ، غنا [گانوں]، موسیقی، مصوری پر کوئی قدغن عائد نہیں کیا۔ ان امور کو گناہ نہ سمجھا جائے، وہ لوگ جو آرٹ کو ممنوع قرار دیتے ہیں وہ اللہ تعالی کے عطیات وتحائف کے درست ادراک سے قاصر ہیں۔ [روضۃ الیوسف، الوفد، الاہرام میں کمال مغد کے مطبوعہ مضامین، وغیرہ سے انتخاب وتلخیص، ۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۷ء]

فنون لطیفہ اور وسطانیہ:

مصر کے سیکولرسٹ، ثقافت آرٹ کو اسلامی اقدار سے مشروط، محدود، مقید کرنے کے شدید مخالف ہیں۔ وہ اسے آزادی کی راہ میں مذہبی رکاوٹ سمجھتے ہیں اور وسطانیہ کے لبرل اسلام کو لبرل ازم اور آزادی کے تصورات کے منافی خیال کرتے ہیں جب کہ مغد کا خیال ہے کہ:

The freedoms protected by law are always and everywhere, the freedom that protects the basic values of society.

[مغد مغربی اصطلاح فریڈم کی تاریخیت اور حقیقت سے ناواقف ہیں، اسے عربی لفظ حریت کے معنی میں لیتے ہیں، انھیں معلوم نہیں کہ فریڈم مغربی فکر وفلسفے کی بنیادی قدر ہے جس کا مطلب ہر قسم کی پابندی سے آزادی، خواہ وہ ارضی ہو یا سماوی۔]

جمالیات کے بارے میں مغربی نقطہ نظر کو اسلامی نقطہ نظر سے ہم آہنگ کرنے کے لیے قرضاوی اور الغزالی نے کچھ تحدیدات کے ساتھ جمالیات کی اسلامی توجیہات پیش کی ہیں جنھیں مصر کے راسخ العقیدہ اور سیکولر مکتب فکر تسلیم نہیں کرتے۔ وسطانیہ کو دونوں کی مخالفت کا سامنا ہے۔

سنت رسول سے رقص غناء ثابت ہیں:

قرضاوی آرٹ کو قرآن وسنت سے حلال ثابت کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں آرٹ کو حرام ٹھہرانے کی وجہ ناقص احادیث اور ان احادیث کا غلط فہم اور غلط تشریحات ہیں غزالی اور قرضاوی واضح طور پر کہتے ہیں کہ سنت سے شاعری، رقص، غناء ثابت ہے اور ان اعمال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق وتائید حاصل ہے۔ اس موضوع پر غزالی کی کتاب سنۃ محمدیہ بین الاصحاب الحدیث والفقہ Prophet sunna between the people of hadiths and fiqha بنیادی کتاب ہے، ان کا استدلال ہے کہ فقہاء نے ان تمام امور کو خواہ مخواہ حرام ٹھہرایا ہے جب کہ سنت رسولؐ اللہ میں ان امور کی حرمت کا کوئی حکم نہیں ملتا۔ نعوذ باللہ دوسرے لفظوں میں رسول اس کائنات میں اس لیے تشریف لاتے ہیں کہ لوگوں کو رقص، غناء، فنون لطیفہ کی تعلیم دیں، اس کے

ذریعے ان کی روح کو بالیدہ کریں، مرے ہوئے تمدنوں، مٹی ہوئی تاریخوں اور عذاب الٰہی سے ریزہ ریزہ کی گئی تہذیبوں کے کھنڈر سے آخرت کی یاد دلانے کے بجائے انہی اقدار کا احیاء کریں جو قوموں کی بربادی کا اور عذاب الٰہی کا سبب بنیں۔[نعوذ باللہ]

عورت کی آواز حرام نہیں فقہاء کی رائے غلط ہے:

غزالی عورت کی آواز کو حرام تسلیم نہیں کرتے اور فقہاء کی اس رائے کو کلیتاً مسترد کرتے ہیں۔ان کے خیال میں غنا گفتگو کا ایک طریقہ ہے جس پر قدغن درست نہیں وہ کمپیوٹر گرافک، ویب سائنٹس انفارمیشن ٹیکنالوجی اور اس کے تمام متعلقات کو اسلام کی تجدید نو کے لیے زبردست معاون قوتیں خیال کرتے ہیں۔آرٹ کے حلال و حرام ہونے پر جاری مباحثے کے بارے میں وسطانیہ کا خیال ہے کہ ان موضوعات پر جامعات آرٹ اور سوک فورم پر نقد و نظر کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔اس کے باوجود اگر ان امور پر اتفاق رائے نہ ہو سکے تو اس کا حتمی فیصلہ عدالتوں پر چھوڑ دینا چاہیے۔[شریعت کے فیصلے عوام کی رائے اور کافرانہ عدالتوں سے صادر کرائے جائیں گے۔ کس قدر احمقانہ موقف ہے۔]

عدالتی کارروائی ناکام ہوگئی:

مصطفیٰ سخا نے ٹی وی کے پروگرام Ramadan Riddle کے خلاف ۱۹۸۸ء میں عدالت میں استغاثہ دائر کیا اور بتایا کہ اس پروگرام کے اوقات، مواد، سماجی اثرات، اسلامی اقدار کے لیے تباہ کن ہیں اور اس سے جمالیاتی اقدار بھی مسخ ہو رہی ہے۔غالباً یہ استغاثہ وسطانیہ کے بتائے ہوئے حل کے مطابق عدالت میں دائر کیا گیا تا کہ عدالت متنازع شرعی امور کو نمٹا دے۔شریعت کا نفاذ کافرانہ عدالتوں سے کرانے کا رویہ دنیا بھر میں ناکام ہو چکا ہے۔[مصطفیٰ پروفیسر ادبیات ڈین آف آرٹس عین الشمس یونیورسٹی قاہرہ بھی ہیں۔ان کی مشہور کتاب لٹریچر اینڈ دی ڈیویلپمنٹ آف اسلامک سولائزیشن علمی حلقوں میں اہم مقام کی حامل ہے] اس پروگرام میں افطار کے ساتھ ہی ایک خاتون میزبان روزہ داروں کی تفریح طبع کے لیے مغربی گانے اور رقص کا اہتمام کرتی ہے، رقاصائیں تقریباً عریاں لباس اور بے ہودہ الفاظ میں داد عیش فراہم کرتی ہیں۔عدالت نے سخا کا مقدمہ خارج کر دیا اور اسلامی اقدار کی پامالی کے بارے میں فیصلہ خاموش رہا۔سرکاری اخبارات نے اس مقدمے کو کوئی جگہ نہ دی۔

مصطفےٰ سخا اور وسطانیہ کی آزادروی:

وسطانیہ گروپ کی آزادی نے حکومت کو یہ جرأت عطا کی اور اس آزادی پر وسطانیہ گروپ خود پریشان ہوا، فہمی ہویدیٰ نے اپنے مضمون میں افطار کے وقت رقص موسیقی کے پروگرام کی مذمت کی، جب کہ

وسطانیہ کے مطابق یہ عین عبادت تھا۔ آرٹسٹ سے بڑھ کر اللہ کی عبادت کون کر سکتا ہے؟ مگر اب ایک عبادت دوسری عبادت سے متصادم ہو گئی تھی [نعوذ باللہ] لہٰذا نجات کا ایک ہی راستہ تھا جو مضمون میں بیان کیا گیا:

Leave us these one month to pray to God and you can have the remaining eleven to do as you will.

اس معذرت خواہانہ نقطۂ نظر میں جدیدیت کے پیدا کردہ بحران کا حل یہ تلاش کیا گیا ہے کہ کم از کم ایک مہینے کو رقص و موسیقی سے پاک رکھنا چاہیے اس کے بعد سال بھر جو کرنا ہے کر لیا جائے۔ جدیدیت پسند دنیا بھر میں اسی طرح اقدامی عمل کے بعد دفاعی راستے پر آتے ہیں اور آخر کار دین کی عمارت کو منہدم کر دیتے ہیں۔

اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک عبادت دوسری عبادت کی راہ میں مزاحم ہو گئی۔ جدیدیت پسند مسلم مفکرین کی مغرب سے مرعوبیت عبادتوں کے ٹکراؤ پر ختم ہوتی ہے۔ یہی تو تہذیبوں کا تصادم ہے، رمضان میں اختیار کردہ طرز عمل مسلمان کی پوری زندگی پر محیط ہونا چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہو تو مسلمان کی زندگی ایک لادینی زندگی ہے۔ اس زندگی سے بہتر مسلمان کی موت ہے۔ ایک متکبر حکمراں نے ایک درویش منش عالم سے طنزاً کہا تھا میرا یہ کتا تم سے بہتر ہے یا نہیں۔ تو درویش نے عجیب لہجے میں جواب دیا تھا کہ اگر میری زندگی اللہ کی بندگی سے باہر ہو تو میں اس کتے سے بدتر ہوں اور اگر میری زندگی رضائے الٰہی کے عین مطابق ہے تو یقیناً میں اس کتے سے بہتر ہوں۔ زندگی کا یہ تصور وسطانیہ کے پاس نہیں ہے۔ قرآن نے وسطانیہ کے تصور زندگی کے لیے کتے کی تشبیہہ دی ہے جو ہمیشہ لالچ اور نفس کی خواہش پوری کرنے کے لیے اپنی زبان لٹکائے رکھتا ہے۔

[الاہرام، ۱۲ر جنوری ۱۹۹۹ء، ہویدی Huwaidy]

غزالی کا کالم الشعب میں ۱۹۹۴ء تک شائع ہوتا رہا ہے یہ ایک مقبول کالم تھا، جس میں اجتہاد فی الدین کے نام پر فساد فی الدین کی تبلیغ کی جاتی رہی اور اسلام کے ہر اس رکن اور روایت کی تحقیر و تذلیل کی گئی جس پر امت کا صدیوں سے اجماع تھا۔ یہ تذلیل عقل محض کی روشنی میں کی گئی جس کا مقصد محض انائے ذات کا اظہار تھا۔

کعبہ کی شبیہہ کے گرد عریاں رقص اسلام میں جائز ہے: وسطانیہ

۱۹۹۱ء میں قاہرہ میں ایک تجرباتی تھیٹر فیسٹیول میں ایک ڈرامہ رچایا گیا جس میں اسٹیج پر کعبہ کی شبیہہ رکھی گئی، جس کے اردگرد ایک عریاں رقاصہ غنائیہ رقص کر رہی تھی، اس حادثے پر مصر میں زبردست احتجاج ہوا۔ وسطانیہ مکتب فکر کو اس موضوع پر دعوت فکر دی گئی۔ فہمی ہویدی نے ڈرامے کے ناظم سے پوچھا کہ اس کے کیا مقاصد تھے؟ اس نے جواب دیا کہ مادہ پرستی کے خلاف یہ ڈرامہ تھا۔ لوگ آج کل کعبہ اور خدا کے بجائے تیل اور دولت کی پرستش کر رہے ہیں۔ ایسے مادہ پرستوں کو تنبیہہ کے لیے اور ان تک پیغام پہنچانے کے لیے ان کے دروازہ

دل پر دستک دینے کے لیے، ان کو جگانے کے لیے کہ وہ مادیت کی عبادت پرستش پوجا چھوڑ دیں۔ ہم نے یہ طریقہ کار اختیار کیا اس کا مقصد کسی عقیدے یا مذہب کی توہین نہیں تھا۔ یہ تو اظہار حقائق و مسائل کا ایک طریقہ تھا اور یہ طریقہ آزادی اظہار کے مسلمہ بنیادی حق کے تحت اختیار کیا گیا۔

وسطانیہ نے ڈرامے کے ناظم کو بری کر دیا:

وسطانیہ کے مفتی ہویدی نے اس تشریح و توضیح کو نہایت طمانیت کے ساتھ قبول فرمایا اور فتویٰ جاری کیا کہ:

It is clear that he had been moved by the persuasiveness of the director's explanation and was convinced that his work though provocative, had a rightfull place in an Islamic society.

وسطانیہ اور علماء افغانستان کا اختلاف:

افغانستان کے علماء اور طالبان سے وسطانیہ گروپ نے بدھا کے مجسموں پر مذاکرات کے بعد ان علماء کے بارے میں یہ فتویٰ جاری کیا کہ وہ فقہہ حقیقت [fiqha of reality] سے ناواقف ہیں اور صرف متن پر اصرار کرتے ہیں۔ متن کی حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ہویدی نے ان علماء کے بارے میں یہ جملہ بھی کہا کہ:

That the half educated alim is worse than the ignorant.

اسلام مجسمہ سازی کو ذوق جمالیات کا حصہ سمجھتا ہے:

ان کے خیال میں قرآن حکیم مجسموں کی جمالیاتی تخلیق اور عبادت کے لیے تخلیق کردہ بتوں میں واضح امتیاز برتا ہے۔ دونوں کا حکم مختلف ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو جو تحائف بھیجے ان میں مجسمے بھی شامل تھے۔ یہ مجسمے ذوق جمالیات کا شاہکار تھے۔ لیکن عبادت کے لیے نہیں تھے، تمام مجسمے پوجا کے لیے بنائے گئے بت نہیں ہوتے انھیں حسن تخلیق کے شاہکار کے طور پر بھی باقی رکھا جا سکتا ہے۔

طالبان جمالیات کے مفہوم سے نا آشنا رہے۔ وہ متن میں الجھ کر رہ گئے اور حس جمالیات سے محروم رہے وہ اسلامی معاشرے اور انسانی زندگی میں آرٹ کے مقام سے نابلد رہے۔ غزالی کے خیال میں اسلامی معاشرہ اسلام کے عطا کردہ اصولوں، عقیدہ، تعلیم، قومی مکالمہ، پرتشدد مظاہروں سے گریز اور مذہب کے نام پر دوسروں کے حقوق نہ چھیننے پر اپنی بنیادیں اٹھاتا ہے۔

وسطانیہ کے خیال میں اسلام کی تجدید اجتہاد نو کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ یہ اجتہاد بنیادی امور پر مسلمہ علماء و دانشوروں کے ذریعے عمل میں آنا چاہیے۔ [واضح رہے کہ مسلمہ دانشوروں و علماء سے مراد وسطانیہ کی فکر سے متفق

علماء ودانشور ہیں] اس اجتہاد کے لیے وسطانیہ کے مفکرین بتاتے ہیں کہ سنت کو کیسے برتا جائے؟ قرآن کیسے پڑھا جائے؟ شریعت کو کیسے نافذ کیا جائے؟

علماءِ فقہانے احادیث سے غلط مفہومات اخذ کیے:

غزالی کے خیال میں راسخ العقیدہ علماء سنت کو اپنے پرتشدد وافکار کے لیے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کررہے ہیں۔ یہ لوگ قرآن سے ناواقف ہیں اور اپنے فیصلوں کی بنیاد قرآن کے بجائے صرف سنت پر رکھتے ہیں۔ یہ مستند احادیث کو غلط طور سے بیان کرتے ہیں یا اس کا خاص مفہوم بیان کرتے ہیں، اس طرح اپنے پر تشدد اور خطرناک نظریات وافکار کے لیے سنت کی آڑ لے کر عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔ اہل الحدیث قرآن سے بہت کم واقف ہیں، وہ ایک حدیث پڑھتے ہیں، بغیر یہ جانے ہوئے کہ یہ حدیث قرآن سے کس قدر قریب یا کس قدر دور ہے جب کہ ہر حدیث کو قرآن کے تناظر میں اور عقل کی روشنی میں پرکھنا ضروری ہے جو عصر حاضر کا لازمی تقاضہ ہے۔ قرآن اور عقل کی روشنی کے بغیر حدیث کو من وعن قبول نہیں کیا جاسکتا۔ بے شمار متنازعہ احادیث جو راسخ العقیدہ علماء استعمال کرتے ہیں ثانوی نوعیت کے مسائل سے متعلق ہیں جن کا تعلق نہ تو مسلمانوں کے بنیادی عقیدے سے ہے نہ اسلامی معاشروں کے مسائل سے، وہ جزئی نوعیت کے الہیاتی مسائل سے بحث کرتے ہیں کہ محمدؐ نے فی الحقیقت خدا کا جلوہ دیکھا یا نہیں، وہ راسخ العقیدہ علماء پر حملہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ لوگ ہفتے کے دن طالب علم کے طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اتوار کو یہ معلم کہلاتے ہیں اور پیر کے دن پروفیسر بن جاتے ہیں، ان کو قرآن وسنت کے مابین تعلق کا قطعاً علم نہیں، قرآن وسنت متضاد نہیں ہوسکتے، ان کو ساتھ ساتھ رکھا جائے لیکن آخر کار قرآن کو سنت پر فوقیت حاصل رہے گی۔ [غزالی نے یہاں الموافقات میں امام شاطبیؒ کی وہ تشریح نظر انداز کردی جس میں اس پروپیگنڈے کی نفی کی گئی ہے کہ السنۃ القاضیۃ علیٰ القرآن کا مطلب وہ نہیں ہے جو منکرین احادیث بیان کرتے ہیں۔ امام شاطبی نے اس بحث میں قرآن وسنت کے تعلق کو نہایت حکمت سے بیان کیا ہے اور سنت کے قرآن پر قاضی ہونے کے نقطہ نظر کی نہایت دانائی کے ساتھ وضاحت فرمادی ہے۔] غزالی کے اس موقف پر علماء نے شدید ردعمل ظاہر کیا اور ان پر الزام عائد کیا گیا کہ وہ سنت پر حملہ آور ہیں۔ انھوں نے مستند احادیث کو بغیر کسی بنیاد کے موضوع قرار دے دیا، عقل کو وہ سنت اور حدیث پر فوقیت دیتے ہیں اور اس کے ذریعے ماڈرن ازم کے مباحث عقلیت کو اسلامی جواز عطا کرتے ہیں۔

عورت کی آزادی: وسطانیہ کا مرکزی نکتہ:

وسطانیہ گروپ کے اجتہادات کا مرکزی موضوع عورت کی آزادی ہے، ان کے خیال میں مسلمان مرد اور عورت میں تشخص وقار اور ذمہ داری کے سلسلے میں مطلق مساوات کا اصول قرآن سے ثابت ہے۔ چند امور

میں یہ اصول استثناء کا حامل ہے جو قرآن نے طے کر دیئے ہیں۔اس کے سوا مرد و عورت میں کامل مساوات ہے۔ وسطانیہ مکتب فکر عورت کے بارے میں اسلامی معاشروں کی روایات کو درست تسلیم نہیں کرتا اور علماء کے موجودہ رویوں، روایات اور طور طریقوں کو اسلامی تعلیمات کی مسخ شدہ تشریحات سمجھتا ہے۔وہ عصر حاضر میں مغرب میں عورت کی حیرت انگیز ترقی سے متاثر ہے، وہ ترقی کے مغربی نظریات کو مسترد نہیں کرتے اور عورتوں سے متعلق ترقی کے مغربی نظریات کو بالکل درست سمجھتے ہیں، وہ عورتوں کے متحرک سماجی کردار کے زبردست حامی ہیں۔

قرضاوی: بیٹیوں کے معاملے میں آزادروی کا شکار

قرضاوی فخریہ بتاتے ہیں کہ ان کی چار بیٹیاں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں ایک بیٹی نیوکلیئر فزکس میں پی ایچ ڈی ہے اور امریکہ میں ایک سالہ اسکالرشپ پر مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی ہے۔[وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بغیر محرم کے سفر کی احادیث، روایات اور اسلامی طرز عمل غیر اسلامی رویہ ہے اور لڑکیاں دنیا حاصل کرنے کے لیے کسی شرعی پابندی کی محتاج نہیں ہیں] دوسری بیٹی کیمسٹری میں پی ایچ ڈی ہے، تیسری انجینئرنگ میں پی ایچ ڈی کر رہی ہے اور چوتھی جینیات میں۔وہ بتاتے ہیں کہ ان کی ایک بیٹی کالج میں زیر تعلیم تھی اس کے لیے ایک رشتہ آیا لیکن دلہا کی شرط یہ تھی کہ وہ تعلیم کی تکمیل کے بعد اپنی اہلیہ کو نوکری کی اجازت نہیں دے گا۔قرضاوی نے اپنی بیٹی سے گفتگو کی اور یہ رشتہ مسترد کر دیا۔[ان کے خیال میں عورت کا نوکری نہ کرنا عورت کی صلاحیت اور وقت کو ضائع کرنا ہے]

تمام عورتیں گھروں سے باہر نکل آئیں:

غزالی کی کتاب Issue of women between rigid and Alien tradition 1994. کے ذریعے غزالی نے حسن البناء کے افکار و نظریات کو بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے، وہ اسلام میں عورت کے موثر عوامی کردار کے زبردست موید ہیں۔وہ بتاتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ ادبیات، آرٹ کے ذریعے معاشرے سے خطاب کرتی تھیں۔وہ بتاتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سنت کے معاملے میں سند ہیں، ان کے فتاویٰ امت کے لیے واجب العمل ہیں۔حضرت عائشہؓ تمام مسلمان عورتوں کے لیے آزادی، عوامی کردار اور معاشرے میں حرکت پذیری کی زندہ علامت ہیں۔کیا ہم حضرت عائشہؓ کی پیروی کریں یا عورتوں کو حکم دیں کہ وہ گھروں میں قیام کریں۔وہ مغربی دلیل کو اپنے حق میں پیش کرتے ہیں کہ کیا پچاس فیصد آبادی کو جو زبردست انسانی سرمایہ ہے بالکل نظر انداز کر کے گھروں میں نظر بند کر دیا جائے۔لطف کی بات یہ ہے کہ جب راسخ العقیدہ علماء ازواج مطہرات کو دیے گئے پردے کے حکم کو تمام عورتوں کے لیے لازمی قرار دیتے ہیں تو غزالی کہتے ہیں یہ حکم صرف ازواج مطہرات کے لیے محدود تھا، لیکن جب اپنے افکار عزیز ہوتے ہیں تو ازواج مطہرات کا عمل تمام عورتوں کے لیے عام ہو جاتا ہے۔وسطانیہ کی فقہ دراصل فقہ مغرب یعنی فقہ مفاد پرستی ہے۔

ساحل اکتوبر ۲۰۰۵ء

وسطانیہ: احادیث کو مسخ کرنے کا عمل

حضور اکرمؐ کی حدیث مبارکہ ''وہ قوم تباہ ہوگی جس کی قیادت عورت کے سپرد کی گئی'' اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے الغزالی اسے ایک مخصوص معاملے سے متعلق بتاتے ہیں۔ وہ اس حدیث کے عموم کے قائل نہیں، دوسرے لفظوں میں وہ عورت کی حکمرانی کو قرآن وسنت کی روشنی میں جائز سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ حدیث فارس کی جس خاتون حکمراں سے متعلق ہے، وہ جب برسراقتدار ہوئی، تب فارس اسلام کی جھولی میں گرنے والا تھا۔ فارس پر ایک خاندان کی حکومت تھی جس کے یہاں شوریٰ کا کوئی تصور نہیں تھا۔ یہ حکمراں خاندان سخت بدعنوان تھا۔ رومی سلطنت سے عبرتناک شکست کھانے کے بعد فارس کو یہ موقع مل گیا تھا کہ وہ اپنی سابقہ طاقت کو بحال کرتا اس کے برعکس انھوں نے فارس کی قیادت ایک نااہل نوجوان عورت کے سپرد کردی جس کے نتیجے میں اس عظیم الشان سلطنت کا زوال مکمل ہوگیا۔ رسول اکرمؐ کی حدیث کے الفاظ اس مخصوص صورت حال سے متعلق ہیں۔ غزالی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حکمرانی کے لیے عورت اہل ہوتی اگر وہاں پارلیمینٹ کا نظام ہوتا تو وہ حکمرانی کرسکتی تھی۔ رسول اللہؐ کی حدیث نااہل اور شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے والی عورت سے متعلق ہے۔ حدیث اور تاریخ کی من مانی تشریحات میں وسطانیہ مکتب فکر خارجیوں اور معتزلیوں سے کئی قدم آگے ہے اور جاہلیت و جہالت میں مغرب کی جہالت کا ہم پلہ ہے۔

اپنے مؤقف کو موکد کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ ''کیا فارس میں شوریٰ موجود تھی کیا وہاں کی خاتون حکمران یہودی وزیراعظم گولڈا میئر کی طرح حکومت کررہی تھی۔ ظاہر ہے دونوں مثالوں میں بنیادی نوعیت کا فرق ہے۔ گولڈا میر پارلیمینٹ کے ذریعے اقتدار میں شریک تھی اس کا اقتدار جائز تھا۔

عورت امامت کبریٰ کی اہل ہے:

غزالی کے خیال میں ہر فرد خواہ مرد ہو یا عورت اگر معاشرے کی ضروریات پوری کرنے کی صلاحیت و اہلیت کا حامل ہو وہ ان معاشروں میں قیادت کے منصب پر فائز ہوسکتا ہے۔ وہ ملکہ سباء کے قرآنی حوالے سے عورت کی حکمرانی کا جواز نص سے ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ملکہ فارس کے حوالے سے عورت کی حکمرانی کا نقص ایک خاص صورت حال کے لیے مخصوص ہے۔ رسول اکرمؐ کے اس ارشاد سے عمومی قانون نہیں بنایا جاسکتا کہ عورت حکمرانی کی اہل نہیں ہے۔

آدھی ملازمتیں عورتوں کو دی جائیں:

عورتیں سیاسی زندگی میں قوم کی قیادت کرسکتی ہیں اس باب میں کوئی قدغن واستثناء نہیں ہے۔ عورتوں کو تالوں میں بند کرکے انھیں ان کے حقوق اور فرائض سے محروم کرنے کی اجازت اسلام نہیں دیتا۔ اگر کسی ملک

میں ایک لاکھ استاد اور ایک لاکھ معالجین [ڈاکٹر] موجود ہیں تو ان کی نصف تعداد لازماً عورتوں پر مشتمل ہونی چاہیے وہ بتاتے ہیں کہ عورتوں کی قیادت نے اپنے معاشروں اور ممالک کو مستحکم کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔اس کی حالیہ مثالیں گولڈا میر، کوئین وکٹوریا، اندرا گاندھی اور مارگریٹ تھیچر ہیں۔غزالی جو ایام جلاوطنی میں سعودی عرب میں رہے، سعودی علماء کے تصور دین کو ناقص، غلط اور عربی روایات جاہلیت کا پرتو سمجھتے ہیں۔جہاں عورتوں پر علماء کی مرضی مسلط کی جاتی ہے۔وہ سعودی علماء کو پسماندہ، درماندہ، برخود غلط قرار دیتے ہیں جو اپنے محدود علم کے سہارے غلط سلط فتوے عورتوں پر نافذ کر رہے ہیں وہ حجاب کو عربی رسم قرار دے کر اسے قرآن وسنت سے متصادم طریقہ دین قرار دیتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ مرد اپنی نگاہیں نیچی رکھیں نہ کہ عورتوں کو سر تا پیر نقاب میں ملبوس ہونے پر مجبور کریں۔راسخ العقیدہ اور متشدد مکاتب فکر کے علماء کا رویہ عورتوں کے حجاب سے متعلق قابل مذمت ہے۔

عورت کا حجاب: وسطانیہ کا اختلاف

وسطانیہ مکتب فکر کے کمال عبدالمغد اور سلیم العویٰ نقاب کے معاملے میں یوسف قرضاوی اور غزالی کے ہم خیال نہیں ہیں جب کہ یوسف قرضاوی اور غزالی حجاب کے قائل ہیں۔[ستر عورت اسکارف] لیکن عبدالمغد اور سلیم العویٰ کے خیال میں حجاب کا معاملہ انتہائی اہمیت کا معاملہ نہیں ہے وہ اسے انتہائی اہم ترجیح نہیں سمجھتے۔حجاب کا مسئلہ ان کے خیال میں ایک جزئی مسئلہ ہے بنیادی اہمیت کا حامل معاملہ نہیں ہے۔روزہ اور نماز کی طرح حجاب مذہبی فریضہ نہیں ہے۔

فرانس کی مسلم لڑکیاں حجاب ترک کردیں: وسطانیہ

فرانس میں مسلم عورتوں کے حجاب [اسکارف] پر پابندی عائد کی گئی تو ہویدی نے فتویٰ دیا کہ وہ حجاب ترک کردیں اور تعلیم حاصل کریں کیونکہ تعلیم لباس سے زیادہ اہم معاملہ ہے۔لباس کو تعلیم پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔[وسطانیہ کے یہاں دنیا اہم ہے دین تو ایک قابل تغیر قدر ہے اور دنیا کو ہر حالت میں دین پر ترجیح حاصل ہے] غزالی عالم مغرب اور دیگر ممالک میں ہر شعبۂ زندگی میں عورتوں کی سرگرم شمولیت کی مثال دیتے ہوئے سعودی علماء اور راسخ العقیدہ علماء سے سوال کرتے ہیں کہ عصر حاضر میں عورتوں کو گھروں تک محدود کرنے کا کیا اخلاقی جواز ہے جب ہماری عورتیں دیکھ رہی ہیں کہ کس طرح دنیا کے ہر حصے میں عورتیں اعلیٰ مناصب پر فائز ہو رہی ہیں، زندگی کی دوڑ میں کس طرح مردوں کے شانہ بشانہ شریک ہیں۔سائنس، ٹیکنالوجی، تعلیم، خلاء، فضاء کے اندر اعزازات کے ساتھ ہر شعبۂ زندگی میں کس طرح قوم کی قیادت کر رہی ہیں کس طرح حکومتوں کی سربراہی ان کے پاس ہے۔

علماء اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ مسلمان عورتوں پر خواہ مخواہ پابندیوں کا کیا اثر پڑے گا۔انھیں کس بنیاد پر زندگی کے ان تمام امور سے بے دخل کیا جاسکتا ہے۔معاشرے میں ان کے تخلیقی کردار کو کیسے ختم کیا

جاسکتا ہے؟ ایسا طرز عمل اسلام نہیں ہے۔

وسطانیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ راسخ العقیدہ مکاتب فکر نے سنت کی گمراہ کن تشریحات کے ذریعے عورت کا کردار محدود کر دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ راسخ العقیدہ روایتی مکاتب فکر نے قرآن کے مطالب میں تحریف کی ہے۔

تمام روایت پسند مکاتب فقہ غلط ہیں:

وسطانیہ مکتب فکر کے خیال میں اسلام کے تمام روایت پسند مکاتب فکر قرآن وسنت کی غلط سلط تشریح کر کے اپنی مرضی کے نتائج اخذ کر رہے ہیں، ان کی تشریحات غلط ہیں اور ان کے فقہی استنباطات کا ذخیرہ بے کار ہے۔

عورتوں کے گھر میں ٹک کر رہنے والی آیات کی تشریح کرتے ہوئے وسطانیہ اسے امہات المومنین کے لیے مخصوص قرار دیتا ہے لیکن عورتوں کو مفتی بنانے اور عوامی زندگی میں متحرک طور پر شامل کرنے کے لیے دلیل حضرت عائشہؓ سے لاتے ہیں جب کہ اس دلیل کا اطلاق بھی وسطانیہ کے اصول کے تحت امہات المومنین سے خاص تھا۔ امہات المومنین امت کی مائیں تھیں کوئی ان سے نکاح نہیں کر سکتا تھا لہٰذا ان کی ہستی ایک ایسی ہستی تھی جس کے استثناء عام عورتوں تک وسیع نہیں کیے جاسکتے۔

غیر مسلم اور مسلم کے حقوق میں کامل مساوات ہے:

وسطانیہ کے خیال میں اسلامی معاشرے اور ممالک میں غیر مسلم اور عورتوں اور مسلمان مردوں کے حقوق میں کوئی فرق نہیں، مساوات کے اصول کا اطلاق تمام کے حقوق پر ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں فقہاء کے بتائے ہوئے ضابطے اسلام کے ضابطے نہیں، مسلمانوں کے بتائے ہوئے ضابطے ہیں۔ ان کے خیال میں ملت اسلامیہ میں تمام طبقات کو مساوات کی وہ سطح کبھی حاصل نہ ہوسکی جو اسلام کو مطلوب ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس معاملے میں صرف اسلام ناکام رہا۔ معذرت کے ساتھ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دیگر تمام ممالک میں بھی کم وبیش یہی صورت حال ہے، ان ممالک میں بھی جہاں مردوں عورتوں کی اقلیتوں کو یکساں مساوی دستوری تحفظات دیئے گئے ہیں۔ لیکن ہر جگہ امتیازی رویہ موجود ہے اور مختلف طبقات مختلف قسم کے امتیازات کا شکار ہیں۔

اسلام اور عیسائیت میں کوئی تضاد نہیں ہے:

وسطانیہ کے خیال میں مصر دو قطبی مذاہب کا گہوارہ ہے لہٰذا مذہبی رواداری عیسائیت اور اسلام کے درمیان ضروری ہے تاکہ ان مذاہب کے باہمی تعامل سے ہمارا قومی تشخص مستحکم ہو۔ ان کے خیال میں عیسائیت اور اسلام میں کوئی خاص تضاد نہیں ہے۔ اسلام اور عیسائیت کی نہایت اہم اقدار مشترک ہیں۔ مثلاً سچ، ایمانداری،

عدل، جس کے ذریعے ایک دوسرے سے باہمی اشتراک عمل ہوسکتا ہے اور ایک فطری رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کو مذہب کے نام پر باہم تصادم سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ دونوں مذاہب ایک تہذیب کے وارث ہیں اور یہ تصادم مصری قومی اتحاد کے لیے شدید خطرہ بن سکتا ہے۔ ان کے خیال میں اسلام اور عیسائیت مشترکہ طور پر ایک ''تہذیبی مذہب [Civilization Religion] تخلیق کرسکتے ہیں جو قومی یکجہتی کی بنیادیں فراہم کرسکتا ہے۔

وسطانیہ کے مفکر کے الفاظ میں:

These Islam and Christianity both contribute to the creation of a "Civilization Religion" that provides a foundation for the national community.

اسلام میں ذمی اور جزیہ کا تصور نہیں:

وسطانیہ کا مکتب میدان سیاست وحکومت وتمدن میں مسلم وغیر مسلم کے درمیان مکمل مساوات کا قائل ہے اور غیر مسلموں کے سیاسی تمدنی تہذیبی مذہبی حقوق میں کسی تفریق یا تحدید کا قائل نہیں ہے۔ وہ اسلام میں ذمیوں اور جزیے کے بھی قائل نہیں ہیں۔ اسی نقطۂ نظر کو وسطانیہ والے Civilization National Project کہتے ہیں اور وسطانیہ اس نقطہ نظر کے ذریعے مصری قومی تشخص کو مستحکم کرنے کے علمبردار ہیں، اس سلسلے میں یوسف القرضاوی کی کتاب Non Muslims in Islamic Society۔ فہمی ہویدی کی کتاب Citizen not Zimmis اور سلیم العوٰی کی کتاب Copt and Islam اس موضوع پر ان کے جدیدیت پسند افکار کو تفصیل سے پیش کرتی ہیں۔ وسطانیہ کے خیال میں اسلامی تہذیبی فصیلیں، نسلی عصبیتوں اور مذہبی بنیادوں پر نہیں اٹھائی جاسکتیں۔ اسلامی معاشرہ تہذیبی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے جس میں غیر مسلموں کو ایک محفوظ اور قابل احترام مقام عطا کیا جاتا ہے۔ وہ ذمی نہیں ہوتے نہ جزیہ دیتے ہیں۔ وہ جدید مصر کی قومی تحریکوں میں غیر مسلموں کی قربانیوں اور ایثار کی داستان کو یاد رکھتے ہوئے غیر مسلموں کے لیے برابری کے حقوق کے علمبردار ہیں۔ غیر مسلموں سے موالات کے لیے وہ اسلام کی تمام تاریخ کو مسخ اور مسترد کرنے پر تیار ہیں۔

امت کا تمام فقہی سرمایہ رد دیا جائے:

عالم اسلام کے تمام مکاتب فکر متفق ہیں کہ شریعت کے بغیر کسی اسلامی معاشرہ کا وجود ناممکن ہے۔ اس کے برعکس وسطانیہ والے تہذیبی اشتراکِ عمل کے ذریعے ایک آزاد، رواداری، مساوات کی بنیاد پر معاشرہ قائم کرنے کا عندیہ دیتے ہیں۔ جہاں قرآن وسنت کے متن کو حقیقت اور عقل کی روشنی میں پرکھ کر عہد حاضر کے

سائنسی، تہذیبی، تمدنی تقاضوں کے مطابق فقہی حقیقت کے تحت نئے اصول وضوابط اخذ واختیار کیے جائیں گے کیونکہ تمام مکاتب فکر نے استنباط مسائل اور اصول اخذ کرنے میں ٹھوکر کھائی ہے اور وہ قرآن وسنت کے صحیح فہم سے قاصر رہے ہیں لہٰذا نئے سرے سے تشکیل علوم اسلامیہ کی ضرورت ہے اور یہ فہم عالم اسلام میں صرف اور صرف وسطانیہ کے مفکرین کو حاصل ہے۔

نفاذ شریعت کے لیے ریاست ضروری نہیں:

وسطانیہ کے خیال میں شریعت الہامی ہے جب کہ فقہ انسانی ہے لہٰذا اطلاق کے وقت دونوں میں امتیاز ضروری ہے۔ کیونکہ شریعت کے احکام قرآن وسنت سے آتے ہیں اور فقہا کے احکام تفقہہ فی الدین سے آتے ہیں جس پر کامل اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ شریعت کا نفاذ معاشرے میں نہیں ہوتا بلکہ شریعت کا نفاذ عملی زندگی میں ہوتا ہے اور شریعت زندگی کا لازمی حصہ ہوتی ہے۔ ایک مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ شریعت کے اوامر ونواہی کی پابندی نہ کرے لہٰذا شریعت کے نفاذ کے لیے ریاست کی ضرورت نہیں، شریعت ذہن میں دل میں اور گھر میں گھر کر لیتی ہے۔ شریعت نظام حیات ہے جو تمام اصولوں کے ساتھ الہام کی گئی ہے جو انسانی زندگی کے رشتوں اور روابط میں راہنما ہے اس کی مختلف صورتیں ہیں:

۱] شریعت خدا کے تعلق کے حوالے سے ہمیں نماز روزہ کی ہدایت کرتی ہے۔

۲] دوسرے مسلمانوں کے ساتھ اپنے رویے میں اخلاقیات کا خیال ایمانداری، رحم دلی، عائلی معاملات، وراثت کے امور وغیرہ۔

۳] غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک ان کے لیے برابری کے حقوق اور اسلامی معاشرے میں ان کا برابری کا مقام ومرتبہ۔

۴] معاشرے کے ساتھ عدل کی بنیاد پر تعلق۔

۵] دنیا اور زندگی کے دوسرے امور کے ساتھ قابل احترام رویہ۔ شریعت کی یہ مختلف صورتیں انسان کو اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کا راستہ بتاتی ہیں۔ لہٰذا شریعت کا واحد مقصد وسطانیہ کے خیال میں for acting as God regent on earth ہے۔

قرآن میں ہر مسئلے کا حل نہیں ہے:

اسلام نہ تو معمہ ہے نہ معجزہ۔ قرآن میں ہر مسئلے کا حل نہیں ہے۔ جن امور میں شریعت خاموش ہے وہاں صرف اور صرف عقل پر انحصار ہوگا جس کے ذریعے اجتہاد کیا جا سکتا ہے۔ یہ اجتہاد صرف منطقی طریقے سے کیا جائے گا اور ان مقامات پر لازمی ہوگا جہاں قرآن وسنت کے متون ہماری رہنمائی کرنے سے قاصر ہیں۔

دوسری تہذیبوں کے سماجی قوانین عین اسلام ہیں:

فقہ کی جامعیت اور لچک کے بغیر ہر عہد کے مسائل حل نہیں کیے جاسکتے۔ غیر حقیقی غیر لچک اور اصول نظری طور پر درست ہوسکتے ہیں۔ عملی طور پر مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ فقہ کا اصل کام یہ ہے کہ وہ حالات، ضروریات کے مطابق فتوے دے اور غیر حقیقی رویہ سے اجتناب کرے۔ انسانی ضروریات کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔ تمام مسلمہ اسلامی مکاتب فکر جو اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں تاریخی تجربات اور ضروریات کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوئے۔ ان کے احکامات قرآن وسنت نے بیان نہیں کیے۔ حکومتوں کے بنائے ہوئے قوانین اور سماجی قوانین ''سوشل لاز'' کو غیر شرعی سمجھنا غلط رویہ ہے۔ اس کے نتیجے میں ہم دوسروں کے تجربات وعلمیات سے حاصل شدہ نتائج کے ثمرات سے محروم ہوجاتے ہیں لہٰذا دوسری تہذیبوں سے اخذ کردہ سماجی ضابطے اور قاعدے (Social Regulation) اسلامی معاشروں کی ضروریات پوری کرسکتے ہیں، انھیں غیر شرعی قرار دینا غلط ہے۔ شریعت بذات خود استثنائی ضروریات، حالات کی صورت میں رعایت دیتی ہے، مشکلات میں آسانیاں فراہم کرتی ہے لہٰذا معاشرے کی ضروریات کا خیال رکھنا اور اس کی سلامتی کو برقرار رکھنا شریعت کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ ہر جدید عدالتی نظام کو اخذ واختیار کرسکتی ہے جو عدل اور تحفظ کی ضمانت دے سکتا ہو۔ دوسرے لفظوں میں وسطانیہ ضرورت کو شریعت پر مقدم رکھتے ہیں اور مغرب کے پورے نظام کو اسلامی قرار دے کر اسے من وعن اختیار کرلینا چاہتے ہیں۔

قرآن کے اٹل قوانین بھی بدلے جاسکتے ہیں:

خدا جانتا ہے کہ زندگی بدلتی رہتی ہے۔ اس کے تقاضے، مطالبے بدلتے رہتے ہیں۔ وہ لوگوں کو تکلیف میں مبتلا نہیں دیکھنا چاہتا ہمارے فقہا اور تمام مکاتب فکر کے فتاویٰ نے مسلمانوں کو بے شمار مشکلات ومسائل میں مبتلا کردیا ہے۔ وہ عہد حاضر کے تقاضوں مطالبات اس کی پیدا کردہ مشکلات مسائل کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور شریعت میں موجود لچک وسعت کو اختیار کرنے سے گریزاں ہیں۔

قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ وقت مقام اور حالات کے بدلنے سے شریعت کے ابدی اٹل اور ناقابل تغیر قوانین بھی بدلے جاسکتے ہیں۔ قرآن میں اس کی بنیادیں موجود ہیں۔ حالات کے تقاضوں کے مطابق شریعت کے احکام میں ردوبدل کی گنجائش ہے۔ تمام مسلمہ مکاتب فکر اس اصول کو مانتے ہیں۔

مسلمان فقہ کی پابندی نہ کریں:

مسلمانوں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ شریعت کی اطاعت کریں، فقہ کی اور فقہیہ کی پابندی نہ کریں کیونکہ فقیہہ نے فقہ کو پیدا کیا ہے اللہ اور اس کے رسول نے نہیں۔ مسلمانوں کا المیہ یہ ہے کہ وہ شریعت کے بجائے فقہ کی

پابندیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں اور شریعت وفقہ کو برابر کا درجہ دے چکے ہیں۔

ان کے خیال میں مذہبی مکاتب فکر اور علماء کا یہ کردار غلط ہے۔ یہ پاپائیت کی ایک شکل ہے جسے تھیوکریسی بھی کہا جا سکتا ہے۔ چونکہ فقہ اسلام یا شریعت نہیں لہٰذا متشدد گروہ اس باریک فرق کو نہیں سمجھ پاتے۔

نفاذ شریعت کے لیے ریاست کی نہیں ذہن کی ضرورت ہے:

مختلف تحریکوں اور گروہوں کی جانب سے شریعت اسلامی کے نفاذ کے مطالبات کو یہ گروہ درست نہیں سمجھتا اور استدلال کرتا ہے:

Sharia is not something external to Islamic communities to be imposed on then from without. Rather Sharia is already partially implemented wherever there is an Islamic community and the task is to use the mind to complete its elaboration.

شریعت کا نفاذ اور تحفظ نہ ریاست کر سکتی ہے نہ قوانین، شریعت فقہ کے ذریعے صدیوں سے مسلمانوں کی تاریخ اور ثقافت کا حصہ بن چکی ہے لہٰذا اسے ریاست یا نفاذ کی ضرورت نہیں اس کے لیے ذہن کی ضرورت ہے۔

God gave us the mind. It is only the mind that can protect Sharia and achieve its purpose.

قوانین شریعت پر حقوق مقدم ہیں:

شریعت کو صرف حدود تک محدود کرنا غلط ہے۔ اس کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ سزاؤں سے زندگی اور شریعت کے سفر کا آغاز نہیں ہوتا۔ سزاؤں سے پہلے ہر شخص کو اس کے حقوق دینا ضروری ہیں۔ جب ایک عادلانہ معاشرہ قائم ہو جائے تو حدود کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اسلام لوگوں کی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے اور انھیں خوشیاں مہیا کرتا ہے۔ لہٰذا دین کو حدود میں کیسے محصور کیا جا سکتا ہے۔ فکر انگیز مذہبی تعلیم اور ابلاغ کے بغیر شریعت کا نفاذ ایک جاہلانہ رویہ ہے۔

وسطانیہ کے خیال میں کسی بھی مصدقہ الہامی متن کی تشریح و تفسیر میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ بہت مقدس متن جو نہایت واضح، مقید، محدود اور تفصیل کے ساتھ ہو تب بھی ایسے کسی مقدس حکم کی ایک سے زیادہ تعبیریں کی جا سکتی ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس واضح، مرتب، تفصیلی آیت کا ایک ہی مطلب ہے۔ کیونکہ صرف متن پر مکمل انحصار نہیں کیا جاتا۔ عقل اور اجتہاد بھی ضروری لوازمات میں شامل ہیں۔ لہٰذا مقدس ترین متون کی ایک سے زیادہ

تشریحات ہمیشہ ممکن ہیں اسی بنیاد پر مختلف مکاتب فکر عالم وجود میں آتے ہیں۔

کسی مخصوص موضوع یا معاملے سے متعلق قرآن کی واضح اور معین آیت بھی اس معاملے میں مینارہ نور کا درجہ رکھے گی۔

"A guiding light and not a restricting bond" for the exercise of the mind.

صرف واضح قرآنی احکامات کافی نہیں:

معین اور موکد آیت کے باوجود ذہن اور عقل کا اطلاق اور استعمال ضروری ہے۔ پابندیوں پر مبنی شرعی احکامات دراصل فقہی احکامات ہیں جو فقہ سے اخذ کیے جاتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ سے نہیں اور غلط طریقے سے ان اخذ شدہ قوانین کو تمام لوگوں کے لیے حکمیہ طور پر واجب العمل سمجھا جاتا ہے۔ شریعت کے نفاذ کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ فقہا کے بنائے ہوئے تمام ضابطے، طریقے، اصول، قواعد، قوانین من وعن اختیار کر لیے جائیں۔ تمام شرعی احکام حالات و زمانے کی رعایت سے تغیر پذیر ہیں اور ہر شرعی حکم کی نئی تشریح، تفسیر، توضیح اجتہادی نقطہ نظر سے ہمہ وقت ممکن ہے۔

وسطانیہ اور لبرل طبقات میں ہم آہنگی:

یہ نقطہ نظر وسطانیہ اور سیکولر لبرل حلقوں میں مفاہمت اور مصالحت کے سلسلے میں ایک پل کا کام دیتا ہے۔ تشکیل جدید الہیات اسلامیہ کے ضمن میں وسطانیہ کا یہ اہم ترین کارنامہ ہے جو اسلام کو مغرب کی الحادی تہذیب و تمدن میں سمو دیتا ہے اور اسلام کو مغرب کے لیے خطرہ نہیں بننے دیتا۔ اس کی تعریف کرتے ہوئے پروفیسر بیکر لکھتے ہیں:

The New Islamist understanding preserves a space for disagreement and active dissent on the important issues of how and when Sharia should be elaborated. All of these opportunities are open to secularists as the process of implementing Sharia unfolds. A secularism that can accommodate this understanding of the character of Sharia and of the appropriate process of implementing it is regarded as "moderate secularism." Such a secularism poses no problem for inclusion in a Islamic community.

اسلام میں مذہبی نہیں جمہوری ریاست ہے:

وسطانیہ مکتب فکر قومی، سلامتی اور قومی استحکام کے لیے متشدد سیکولرسٹ لوگوں کو برداشت کرنے کا قائل ہے۔ان کے خیال میں اس طرح کے لوگوں کی ایک اسلامی معاشرے میں مکمل گنجائش ہے۔انھیں معاشرے کا حصہ سمجھا جائے گا۔انھیں الگ نہیں کیا جاسکتا۔وہ شریعت پر اپنے اعتراضات اٹھا سکتے ہیں لیکن انھیں قبولیت عامہ حاصل نہیں ہوگی۔اس نقطہ نظر سے اس بات کی تردید ہوتی ہے کہ اسلامی معاشرے میں لادین عناصر کے لیے کوئی گنجائش نہیں اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے وسطانیہ کے مفکرین کہتے ہیں اسلام واضح ترین الفاظ میں مذہبی ریاست کے نظریے کو مسترد کرتا ہے اس کے برعکس وہ مکمل جمہوری ریاست کا نظریہ پیش کرتا ہے۔جمہوری ریاست کا نظریہ اسلامی نظام سے متصادم نہیں ہے۔

اس نقطہ نظر کی مزید تشریح کرتے ہوئے کمال عبدالمغد اپنی کتاب Dialogue not confrontation [cairo Dar al Shurq 1988] میں لکھتے ہیں:

Out of my analysis of political power in an Islamic state, I have no reservation about this element of a "secular" state and I do not believe it clashes with the call for Islam or for establishing an Islamic political system.

وہ سیکولرسٹ اور اسلام پسندوں کے ادغام کے بارے میں لکھتے ہیں:

Islam exhausts human beings to use fully the gift of the mind in all scientific pursuits. There are no barriers to the full inclusion of moderate secularists who embrace reason and science in the Islamic community. The Islamic character of a state does not violate the equality [given in the secularism / secular society means equal civil legal and political rights of all citizens without any discrimination.

Although particular Islamic regimes like non democratic regimes of all stripes may infact violate such human and civic rights in practice, these negative practices can not be ascribed to Islam.

وسطانیہ کی فکر کا خلاصہ اگر چند جملوں میں کیا جائے تو پروفیسر بیکر کے یہ الفاظ کفایت کریں گے کہ:

They insisted on the need for a continuous ijtihad to translate the sprit

of the Quran into more tolerant social realities. All of human kind - not just Muslim, Christians or Egyptians - has the shared responsibility to build the world and work together to accomplish God's purposes on Earth.

تہذیبی مذہب وسطانیہ کی نئی اصطلاح:

تہذیبی مذہب Civilizational Religion کی اصطلاح وسطانیہ مکتب فکر کا مرکزی نکتہ تھا جس کے ذریعے وہ تمام ادیان اور لادینی نظریات کے حاملین کو مساوات، عدل، آزادی اظہار وغیرہ کے ذریعے ایک نقطے پر جمع کرنا چاہتے ہیں۔ اس معاملے کو وہ تمام چیزوں پر فوقیت دیتے ہیں۔ ہویدی کے الفاظ میں:

Challenge of restoring, civilizational religion should be at the top of the agenda of all patriotic intellectuals. I may take the risk and say that this task in in the foreseeable future the mother of all questions and issues.

[الاہرام، ۱۹رجنوری ۱۹۹۹ء]

عمرہ کرنے سے بہتر ہے کہ اسکول کھولا جائے:

وسطانیہ عصر حاضر کے ان تمام درویشوں کے سخت خلاف ہے جو رمضان میں عمرے کرتے ہیں، اپنا وقت بیت اللہ اور روضہ رسولؐ میں گزارتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ عبادت بے کار ہے، معاشرے کی اصلاح کے لیے اس روپے کو خرچ کرنا چاہیے نہ کہ زیارات جیسے کام کے لیے جس کی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ طنزاً لکھتے ہیں کہ راسخ العقیدہ درویش ایک مسجد کی تعمیر کے لیے لاکھوں روپے خرچ کردیں گے لیکن کسی اسکول، مطب اور فیکٹری کے قیام کے لیے ایک دھیلا نہیں دیں گے۔ [وہ یہ نہیں بتاتے کہ سرمایہ دار دنیا کمانے کے لیے فیکٹری لگانے کے لیے سوئمنگ کلب جانے کے لیے لاکھوں روپے خرچ کردیں گے لیکن کبھی اللہ کی راہ میں ایک دھیلا خرچ نہیں کریں گے تو یہ اس پر وسطانیہ کو اعتراض کیوں نہیں ہے؟ سارے اعتراضات مذہبی روایات پر ہیں] یہ درویش ''مقبول عام دین'' populer religion پر عمل کو نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں جو محفوظ آسان اور مفت میں میسر آتا ہے۔ یہ دین ذمہ داریوں سے بری کرکے انسان کو ہلکا کردیتا ہے۔ ایسا دین نہ صرف معاشرے کے لیے تباہ کن ہے بلکہ اس دین کے پیروکاروں کی قوت اور صلاحیتوں کا ضیاع ہے۔

وسطانیہ پر عصر حاضر کا جادو:

وسطانیہ کے مفکرین کے خیال میں قرآنی آیات کا آغاز وہ تم سے پوچھتے ہیں، یوم آخرت کے بارے

میں، جوئے اور سٹے کے بارے میں، شراب اورخمر کے بارے میں، روح کے بارے میں، راسخ العقیدہ مفکرین ان بنیادی سوالات سے آگے نہیں جا سکے۔ وہ عصری مسائل کو خطاب کرنے سے معذور ہیں، تمام راسخ العقیدہ لوگ جوئے، سٹے، شراب، زنا، روح، فرشتے جیسے معاملات میں الجھے ہوئے ہیں مگر عصری مسائل، عصری تقاضوں، عصری سوالات اور حالات سے لاتعلق ہیں۔ ہویدی واشگاف الفاظ میں کہتے ہیں:

If I were to adopt the Quranic style I'd say they ask you about democracy accountability, human rights and economic development.

[وسطانیہ بھی عصری مسائل، عصری تقاضے سے لاتعلق ہیں۔ انھیں مغربی فکر، مغربی فلسفے، مغربی تہذیب، سائنس و ٹیکنالوجی کے مباحث سے قطعاً لاعلم ہیں۔ حتی کہ مغرب میں مغربی تہذیب کی تنقیدوں سے بھی وہ لاعلم اور ناواقف ہیں۔ اپنی جہالت کا اعتراف نہیں کرتے، علماء کو جاہل کہتے ہیں۔ اگر علماء جاہل ہیں تو یہ اجہل ہیں]

[الاہرام، ۲رفروری ۱۹۹۹ء]

استخلاف فی الارض کے حقدار تمام انسان ہیں صرف مسلمان نہیں:

وسطانیہ کے خیال میں استخلاف فی الارض کے مخاطب صرف مسلمان نہیں ہیں بلکہ تمام انسانوں سے قرآن کا خطاب ہے۔ خلافت ارضی صرف مسلمانوں سے مخصوص نہیں ہے تمام مذاہب، تہذیبیں، ادیان، افکار والے مشترکہ طور پر خلافت کے حق دار ہیں۔

وسطانیہ مکتب فکر اسلامی بینکنگ کا حامی ہے اس کے خیال میں اس طریقے سے ربوٰ کو ختم کر کے نفع و نقصان کی بنیاد پر بینکوں کو چلایا جا سکتا ہے۔ ۱۹۹۰ء تک اسلامی بینکاری کے شعبے میں ۱۲۰ بلین ڈالر کی سرمایہ کاری ہوئی جو عالم اسلام کے تمام بینکوں میں کی گئی سرمایہ کاری کا صرف پندرہ فی صد ہے اور امید ہے کہ اکیسویں صدی کی نصف دہائی میں سرمایہ کاری کی یہ شرح پچاس فی صد تک پہنچ جائے گی۔ اس کے ذریعے جدید مالیاتی اور اقتصادی نظام میں بھونچال آ گیا ہے اور اسلامی بینک کاری دنیا بھر میں اپنا لوہا منوا رہی ہے۔ استخلاف فی الارض کا مطلب صرف مسلمان یا عربوں کا استخلاف نہیں ہے بلکہ تمام انسانوں کا اقتدار کہ تمام لوگ مذہب نسل کے امتیاز کے بغیر یکساں طور پر Dignity اور عدل کے مستحق ہیں، شریعت روحانیت سے مادیت تک کا احاطہ کرتی ہے۔ شریعت، روح، ذہن، مذہب، احترام اور مال کی حفاظت کا نام ہے، ان میں سے کسی ایک انسانی حق کا اتلاف حقوق اللہ سے انحراف اور شریعت سے بغاوت ہے۔ اسلام میں انسانی حقوق کا احترام مذہبی فریضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو بغیر کسی وجہ کے انسان کے زیر نگین نہیں کیا۔ وہ مقصد، وجہ سبب کیا ہے؟

Is to empower man to build and grow.

شریعت کا مقصود صرف ترقی ہے:
ترقی سے گریز خدا سے بغاوت ہے:

قرآن میں تخلیق اور تعمیر ارض کے درمیان تعلق نہایت واضح ہے جو اس تصور ترقی اور مقصود ترقی سے گریز کرے وہ دراصل خدا کا باغی ہے۔

Building the Earth is thus one of the purposes of Sharia since progress is important for construction. The neglect of progress is an aggression against God's right and constituts a failure to fullfill one of the purposes of Sharia. [131]

گٹر بنانا عبادت رب کا بہترین طریقہ ہے:
اردگرد محتاجوں کی موجودگی میں حج فرض نہیں ہے:

انسانی معاشرے میں عبادت اور معیشت اور سماجی ذمہ داریوں کے تعامل کے حوالے سے وسطانیہ گروپ ایک گاؤں کی مثال پیش کرتا ہے۔ جہاں نکاسی آب وغلاظت کا نظام موجود نہ تھا لیکن اس گاؤں کے متمول دین دار لوگ ہر سال عمرے پر جاتے تھے۔ وسطانیہ گروپ اس رویے کو مذہبی عیاشی سے تعبیر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ان درویشوں کی دینداری نے انھیں اس فہم سے محروم رکھا کہ ان کا گاؤں بنیادی سہولیات سے محروم ہے اور عمرے کی رقم ان سہولتوں کے حصول پر خرچ کرنا فریضہ اولین ہے۔ اگر یہ دیہاتی عمرے کے بجائے نظام آب رسانی وغلاظت کی تعمیر پر توجہ دیتے تو یہ عمرے سے بہتر خدا کی عبادت کرسکتے تھے۔ عمرے کے بجائے گٹر تیار کرنا، نالیوں پر پیسے خرچ کرنا، ضروری سہولیات مہیا کرنا مذہبی فریضہ ہے اور خدا کی عبادت کا بہترین طریقہ ہے۔ عمرہ فرض نہیں ہے حتیٰ کہ حج بھی فرض نہیں ہے اگر اردگرد کے لوگ ہماری دولت کے محتاج ہوں ان کی ضروریات پوری کرنا فرض ہے:

The urgent duty of ameliorating the mud and dirt of the village should take prefrence over even the Hajj which after all obligatory if financial and other conditions allowed.

سرمایہ کار کمپنیوں کا سیلاب: وسطانیہ کی خاموشی:

۱۹۸۰ء میں مصر میں سرمایہ کار کمپنیوں کا سیلاب آیا جس میں بھاری منافع کی پیش کش کی گئی۔ ۸ بلین مصری پونڈ کی سرمایہ کاری ہوئی، ۵ لاکھ لوگوں نے اس کاروبار میں سرمایہ لگایا اور تمام سرمایہ ڈوب گیا۔ وسطانیہ کے

مفکرین اور دوسرے اسلامی مفکرین خاموش رہے، کسی نے رہنمائی نہیں کی، یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہی حال پاکستان میں ہوا۔ مصر میں بھی سرمایہ کاری کے لیے اسلام کا نام استعمال کیا گیا اور اسلام کے مفکرین اس دھوکے پر خاموش رہے یا وہ اس دھوکے کی حقیقت کا ادراک نہ کرسکے، جس سے معلوم ہوتا کہ وہ معیشت کے اسرار سے ناواقف ہیں۔ یہی حال پاکستان کے اسلامی ماہرین معیشت جسٹس تقی عثمانی اور پروفیسر خورشید کا تھا جو الائنس موٹر کی جعلی معیشت سے عوام کو آگاہ نہ کرسکے اور راسخ العقیدہ لوگوں کے کھربوں روپے ڈوب گئے۔

وسطانیہ مکتب فکر میں ربوٰ پر اختلافات:

وسطانیہ مکتب فکر ربوٰ کے مسئلے پر منقسم ہے۔ قرضاوی کا خیال ہے کہ سود [Interest] ربا کہلاتا ہے جسے قرآن نے ممنوع قرار دیا ہے۔ الغزالی کا خیال ہے کہ عصر حاضر کے بینک جو منافع دیتے ہیں وہ اس ربوٰ کے زمرے میں نہیں آتا جسے اسلام نے استحصال قرار دے کر حرام کر دیا ہے۔ یہ عادلانہ منافع ہے اور جائز ہے اسے سود نہیں کہا جاسکتا۔ عملاً قرضاوی اور الغزالی سود کو جائز سمجھتے ہیں اور مغرب کی سودی معیشت کو بھی عین اسلام سمجھتے ہیں۔ صرف دونوں فقہاء کی علمی تعبیریں الگ الگ ہیں۔

قرآن وحدیث ربوٰ کے معاملے میں معذور ہیں:

عبدالمغد کے خیال میں سود سے متعلق آیات آخر میں نازل ہوئیں جس کے نتیجے میں سود کی تشریح سے متعلق احادیث کی تعداد بہت کم ہے اور یہ احادیث Inconclusive ہیں لہٰذا قرآن اور احادیث کا متن اس بارے میں رہنمائی کرنے اور روشنی دینے سے معذور ہے کہ عہد حاضر کے بینکوں کا منافع ربوٰ ہے یا نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ اسلامی بینکوں کے بجائے اپنی بچت قومی مصری بینک میں رکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں غیر سودی یعنی اسلامی بینکوں کے کاروبار اور سودی بینکوں کے کاروبار میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اسلامی بینکوں کا کوئی جواز نہیں سود حلال بھی ہے حرام بھی:

سود کی حرمت کو ایک اختلافی مسئلہ سمجھا جائے:

مصر کے سودی وغیر سودی تمام بینک حکومت کی زیر نگرانی کام کرتے ہیں اور مضبوط اقتصادی منطق کے مطابق اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔ شیخ ازہر محمد سعید طنطاوی نے فتویٰ دیا کہ بینک جو سود لیتے ہیں وہ ربوٰ نہیں ہے۔ عبدالمجد کا مؤقف ہے کہ اگر سرکاری مصری بینکوں میں دیا جانے والا منافع ربوٰ نہیں ہے اور اسلامی ہے تو اسلامی بینکوں کے وجود کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ۱۹۹۰ء میں جب محمد سعید طنطاوی نے بینکوں کے سود کو حلال قرار دیا تو یوسف قرضاوی نے اس مؤقف کو زوددار طریقے سے مسترد کیا۔ دونوں کے مابین مباحث میں یہ بات سامنے آئی کہ ربوٰ کے معنی پر دونوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے لہٰذا اتفاق رائے سے طے پایا کہ بینکوں کے سود کا معاملہ

متنازعہ ہے لہٰذا اس پر ایک سے زیادہ مؤقف ہو سکتے ہیں۔ اس مسئلے کو ماضی کے فتاویٰ کی روشنی میں حل نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ایک فریق اسے حلال قرار دیتا ہے تو دوسرا اسے حرام کہہ سکتا ہے۔ یہ اختلاف رحمت ہے کیونکہ یہ اسی قسم کا اختلاف ہے جس کے نتیجے میں چار مسلمہ مکاتب فکر پیدا ہوئے۔ معیشت سے متعلق تمام امور میں شریعت نے کوئی حتمی قاعدہ متعین نہیں کیا، لہٰذا اس میں مختلف مؤقف اختیار کیے جا سکتے ہیں لہٰذا ربوٰ جیسے اختلافی مسائل میں وسعت کا مظاہرہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں ماہرین کی رائے سے استفادہ کیا جائے۔ عام بحث کی جائے یا جمہوری طریقے سے اس مسئلے کا حل اکثریت کی رائے سے نکالا جائے۔ وسطانیہ کے مفکرین کا خیال ہے کہ اس مسئلے پر عوام کے سامنے بحث نہ کی جائے بلکہ بہت سنجیدہ سائنسی تحقیق کے ساتھ سائنسی طور پر اس اختلاف کا حل ڈھونڈا جائے نہ کہ اسے سیاسی مسئلے کے طور پر اچھالا جائے۔ اگر سائنسی طریقوں کے باوجود جدید اقتصادی علوم کے ماہرین سود کی حقیقت تک پہنچنے میں ناکام رہیں تو پھر اس مسئلے کا حل قرارداد جمہور Democratic Resolution ہے۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ پارلیمنٹ کے سامنے سود سے متعلق تمام موقف پیش کر دیے جائیں اراکین کی اکثریت جس رائے کو قبول کرے وہی رائے رائج کر دی جائے۔ وسطانیہ کو پارلیمنٹ اور شوریٰ کا فرق بھی معلوم نہیں۔

سودی اور غیر سودی بینکوں میں حلال و حرام کاروبار کے معاملات کا آخری حل وسطانیہ نے یہ دریافت کیا کہ:

There is absolutely nothing wrong with having both kinds of banks at the same time. [عبدالمجد Acontemporary Islamic Vision, p.33]

مفاد عامہ پر مبنی اصول ہی شریعت ہے:

مفادات کے تحفظ کا نام شریعت ہے:

وسطانیہ کی معاشی حکمت عملی میں مشترکہ مفاد Common good کو مرکزی حیثیت حاصل ہے وہ چیز جو لوگوں کے لیے زیادہ فائدہ مند ہو وہی صحیح ہے، وہی شریعت ہے، وہی دین ہے، وہی خیر خواہی۔

معیشت اور بینکنگ کے معاملات میں وسطانیہ مکتب فکر مضبوط اسلامی مؤقف بیان نہیں کر سکا، لہٰذا اس خامی کا ازالہ اس حکمت عملی سے کیا گیا کہ وسطانیہ سے متعلق مفکرین کسی بھی معاشی مسئلے پر واضح موقف Distinctive position اختیار نہیں کریں گے۔

Arent required to prove there uniqueness and particularity by distinctive methods of Islamic reform.

اسلامی اصول اخلاق کی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے باہر سے آنے والے نت نئے معاشی اقتصادی نظریاتی سانچوں اور ڈھانچوں کو عدل کی میزان پر پرکھ کران کے بارے میں وقتاً فوقتاً فیصلے کیے جاسکتے ہیں لیکن معاشیات اور اقتصادیات کے میدان میں پہلے سے امور شریعت کی روشنی میں طے نہیں کیے جاسکتے۔ وسطانیہ کا عقیدہ ہے کہ:

Human Communities have been charged by God to achieve progress"

زندگی کا مقصد صرف ترقی فلاح ہے ورنہ زندگی گناہ ہے:

اس سلسلے میں وہ قرآن وسنت اور تاریخ سے پروگریس کے تصور کے سلسلے میں کوئی دلیل نہیں دیتے بلکہ اسے ایک سائنسی مفروضے کے طور پر پیش کرتے ہیں جو اس وقت تک واجب العمل ہے جب تک کہ اس کی تردید نہ ہوجائے۔ پروگریس کے شرعی وجوب کے سلسلے میں وسطانیہ الزامی جواب پر اکتفا کرتے ہیں۔

Backwardness is a sin because it means a neglect of the duty of Istikhlaf.

ان کے خیال میں اسلام کے صحیح شعور کے حامل فرد کا مقصد زندگی دنیا تعمیر کرو، Build the World ہونا چاہیے:

You should read first in order to know and then progress. This is why the world read was the first word God sent to the prophet Muhammad.

یوسف قرضاوی کے خیال میں پیداواری عمل عبادت کی ایک شکل ہے (Productivity is a form of worship)

وسطانیہ کے مفکرین مغربی فکر و فلسفے سے قطعاً ناواقف ہیں ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ تحریک تنویر سے پہلے دنیا کی تاریخ، پروگریس اور ڈیولپمنٹ کی اصطلاح اور تصور سے قطعاً ناواقف تھی اور یہ ذلیل مادی رویے سترہویں صدی سے پہلے کے کسی معاشرے میں موجود نہیں تھے۔ پوری دنیا مادہ پرستی کے خدا سے بےخبر تھی جس کی دو دیویاں progress اور development ہیں اور سرمایہ داری اور آزادی جس کے دو فرشتے ہیں۔

معیشت کے سلسلے میں سیاحت کی مغربی صنعت کو بھی وسطانیہ عین اسلامی قرار دیتے ہیں اور قرآن سے اس کا جواز تلاش کرتے ہیں:

The Humankind should travel the world and learn.

وہ صنعت سیاحت کے فروغ کو ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے فروغ کے لیے نئی فقہ معیشت کے قائل

ہیں۔انھیں معلوم ہی نہیں کہ صنعت، سیاحت اور زنا کاری، عیاشی اور حرام کاموں میں براہ راست نسبت ہے۔ جہاں بھی سیاحت عام ہوتی ہے وہاں شر وفساد کی صنعت پروان چڑھتی ہے۔ تھائی لینڈ، بمبئی، بالی، فلپائن، خلیج، اس کی روشن مثالیں ہیں لیکن مغرب کی پیروی میں انھیں کچھ نظر نہیں آتا۔ وہ مغرب کے تصور مادیت، تصور دنیا، تصور ترقی وفلاح کو عین عبادت حق، سچ اور اسلام سمجھتے ہیں۔ وسطانیہ کے مفکرین مادیت اور سرمایہ کے رب کی عبادت کے قائل ہیں۔

جمہوریت عین اسلام ہے:

ان کے خیال میں جمہوریت حصول عدل کا بہترین ذریعہ ہے جو اسلامی اقدار میں اولین اہمیت کی حامل قدر ہے جب کہ اسلام میں شروع سے آمریت رہی جس نے ملت کو شدید نقصان پہنچایا۔ رومی اور ایرانی بادشاہوں سے آمریت کا مرض اسلامی خلافت میں در آیا، وہ مغربی طرز سیاست، مغربی آئینی تاریخ، مغرب میں سیاسی اداروں کی تنظیم وتشکیل اور طریقہ کار سے بے حد متاثر ہیں اور اس باب میں فقہ اسلامی کے ذخیرے کو دیکھ کر بہت شرمندہ ہیں۔ ان کے خیال میں اسلام اور مسلمہ مکاتیب فکر سیاسی امور کے سلسلے میں موثر رہنمائی کرنے سے قاصر رہے۔ غزالی کے الفاظ میں:

Islamic constitutional fiqah to be severely under developed.

پارلیمینٹ کا قیام فرض ہے:

وہ اسلامی مفکرین کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ مغربی جمہوری نظام اور نظریے سے آزادانہ طور پر استفادہ کریں کیونکہ ہمارا فقہی ذخیرہ اس معاملے میں فائدہ مند نہیں ہے۔

۱۹۹۳ء میں یوسف القرضاوی نے pluralism اور جمہوریت کے حق میں فتاویٰ دیا وہ اسلامی ریاست میں سیاسی جماعتوں کے آزادانہ مقابلے کو درست سمجھتے ہیں، ان کے خیال میں پارلیمینٹ کا قیام فرض ہے، یہ محض فرض کفایہ یا رضا کارانہ عمل نہیں ہے۔ وہ مغربی جمہوریت کو عالم انسانیت کا مشترکہ ورثہ قرار دیتے ہیں اور اس کی حفاظت، اس کی توسیع تسلسل کو اسلامی شریعت کا لازمی جزو سمجھتے ہیں۔

علماء اور عوام میں کوئی فرق نہیں:

وسطانیہ علماء کی حیثیت کے بارے میں کسی خاص اکرام کے قائل نہیں، وہ عوام اور علماء کو برابر سمجھتے ہیں۔ علماء سے ہزار اختلاف کے باوجود وہ لوگ ادارے، تحریکیں اور تنظیمیں جو علماء کی تحقیر کریں وہ خدا دشمن اور جدیدیت پسند ہیں جو طبقہ مغرب سے جتنا قریب ہوگا وہ علماء کی توہین وتحقیر میں اسی قدر بے باک اور آزاد ہوگا۔ تنقید اور تحقیر میں بہت فرق ہے۔ غزالی کے الفاظ میں:

Ulema are just a group of Muslim neither above nor below any other

group.

غزالی کے خیال میں وحی الٰہی کے متن کا سب سے زیادہ درست ادراک رکھنے والے علماء فقہا کبھی صاحب اقتدار نہیں ہوتے۔قرآن وسطیٰ میں جب فقہا کو اسلامی خلافت میں عزت وتکریم کا بلند مقام حاصل تھا تب بھی ان میں سے کوئی فقیہہ اقتدار کا امیدوار نہیں تھا۔وہ اس تصور کی پرزور تردید کرتے ہیں کہ ''اسلامی ریاست میں اقتدار اللہ کا ہوتا ہے انسان کا نہیں'' اسلامی حکومت سول حکومت ہوتی ہے وہ مذہبی حکومت نہیں ہوتی۔وسطانیہ اس ضمن میں مولانا مودودیؒ کے سیاسی تصور اسلام کے تمام افکار شدت سے رد کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ''حکومت صرف اللہ کے لیے'' اور ''اللہ خالق ہے اور حاکم ہے'' جیسے کلمات سیاسی اسلام کا ہتھیار ہیں جن کا مقصد اسلام کے نام پر مذہبی آمریت قائم کرنا ہے اور اس کا جواز قرآن وسنت سے بیان کرنا ہے۔

خلافت اور جمہوریت بنیادی اختلافات:

وسطانیہ اسلامی سیاسی نظام میں مسلسل اجتہاد کا قائل ہے لیکن وہ اس سوال کا جواب نہیں دیتے کہ حضرت ابوبکرؓ کی تقرری، حضرت عمرؓ کا تقرر، حضرت عثمانؓ کا انتخاب اور حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی خلافت تک جو طریقہ کار رہا اس کا جمہوریت سے کیا تعلق ہے۔شوریٰ نے ابوبکرؓ کی خلافت کا اعلان کر دیا بعد میں بیعت ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو نامزد فرما دیا، حضرت عمرؓ نے خلافت کے لیے مجلس مقرر کی جس نے حضرت عثمانؓ کا انتخاب کرلیا۔اس کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت آئی اور تحکیم کے ذریعے اختلاف کا حل تلاش کرلیا گیا۔حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ، حضرت معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہوئے اور تاریخی جملہ ارشاد کیا کہ اگر خلافت میرا حق تھا تو میں دستبردار ہو گیا اگر معاویہ کا حق تھا تو یہ حق انھیں مل گیا''۔اسلامی تاریخ میں اسے عام الجمع کا سال کہتے ہیں جب پوری امت ایک مرتبہ پھر ایک خلیفہ پر مجتمع ہوگئی۔حضرت حسنؓ کا کردار ایک تاریخ ساز کردار ہے جسے عموماً پس منظر میں رکھا جاتا ہے۔کیوں کہ قربانی ایثار اور بے لوثی سے عبارت اس کردار سے امت کے اتحاد کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے۔

یہ تمام طریقے شوریٰ، نامزدگی، چند خاص لوگوں کی رائے، تحکیم دستبرداری پر مشتمل ہیں۔اس میں جمہوریت کا دور دور تک گزر نہیں اور امت کے افضل ترین لوگ سابقوں الالون صحابہ کبار اور بدری صحابہ کا ان تمام طرائق پر اجماع تھا۔کوئی اختلاف نہیں تھا۔خلیفہ اول کی بیعت کے وقت حضرت سعد بن عبادہؓ نے بیعت سے انکار فرمایا اور گوشہ نشین ہوگئے۔ان طریقوں کی موجودگی جمہوریت کی تردید کرتی ہے۔شورائیت کی تائید کرتی ہے اور مغرب کے موجودہ کافرانہ جمہوری نظام کو مکمل مسترد کرتی ہے اس کے باوجود یہ کہنا کہ جمہوریت اسلام ہے اور اسلام جمہوریت ہے، مغرب اور اسلام کی تاریخ سے دانستہ سہو نظر ہے۔

عورتوں اور غیر مسلموں کے حقوق سے متعلق تمام حدیثوں کی تشریح غلط ہے:

عورت اور غیر مسلموں کی سیاسی عمل سے علیحدگی کے سلسلے میں وارد تمام احادیث کے سلسلے میں وسطانیہ کا مؤقف یہ ہے کہ ان حدیثوں کی غلط تشریح کی گئی ہے۔ تمام فقہاء ان حدیثوں کا اصل مفہوم سمجھ نہ سکے لہٰذا بہک گئے، ان احادیث سے غیر مسلموں اور عورتوں کو سیاسی عمل سے الگ رکھنے کا جو نظریہ گھڑا گیا ہے وہ خود ساختہ ہے۔ خلافت سب کا حق ہے، خلافت میں شرکت سب کی ذمہ داری ہے، غیر مسلم عورت سب برابر ہیں اور کسی کو اسلامی سیاست میں حصہ لینے، ووٹ ڈالنے، حکمراں بننے سے نہیں روکا جاسکتا۔ فقہائے اسلام احادیث کا صحیح مطلب سمجھنے سے قاصر رہے اور اس کی روح تک نہیں پہنچ سکے۔ حکومت ریاست کی تنظیم بدل گئی ہے۔ وہ بیعت کو رائے عامہ کی حمایت حاصل کرنے کا متبادل جمہوری طریقہ قرار دیتے ہیں۔ اس کے بغیر خلافت یا امارت قائم ہی نہیں ہوسکتی اور عہد رسالت و خلافت راشدہ کی شوریٰ کو عہد حاضر کی مغربی پارلیمینٹ کے مساوی سمجھتے ہیں۔ لہٰذا حکمراں کے براہ راست انتخاب کا جمہوری طریقہ عین اسلامی طریقہ ہے جس میں تمام مرد و عورت بلا تفریق نسل مذہب رنگ حق رائے دہی استعمال کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

وسطانیہ حد قذف کے مجرم کو بھی ووٹ کا حق دیتے ہیں:

شریعت اور قرآن کی نصوص کے تحت جو افراد شہادت کے اہل نہیں ہیں وہ جن کی گواہی عدالتوں میں قبول نہیں کی جاتی اور جو کوڑوں کی سزا کے بھی حق دار ہیں۔ وہ کس طرح ان رائے دہندگان کے برابر ہیں جنھوں نے ان جرائم کا ارتکاب نہیں کیا اور نہ ہی کسی سزا کے مستحق ٹھہرے۔ لیکن وسطانیہ کے نقطہ نظر کے مطابق فکر و نظر سے محروم اور فکر و نظر والا یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں زانی شرابی بھی خلافت اسلامیہ کا اہل ہے، کیونکہ ووٹ دینے کا ہر اہل فرد حکمران بننے کا بھی اہل ہے۔ وسطانیہ والے حکمراں کے اقتدار کی تحدید کے قائل ہیں۔ اس سلسلے میں وہ امریکی صدر کی معیاد کو زریں مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں بتاتے کہ طاقت کا اصل سرچشمہ صدر ہے یا امریکی عوام ہے یا کوئی مخفی طاقت۔ وہ ظاہر سے متاثر ہیں لیکن باطن سے یا تو ناواقف ہیں یا اس سے صرف نظر کرتے ہیں۔

عالم اسلام کے مسلمہ مکاتب کی آراء کو وہ متنی فقہ Fiqha of text کہتے ہیں اور اسے عصر حاضر کے لیے بے کار سمجھ کر مسترد کرتے ہیں اور نئی فقہی اصطلاح فقہ حقیقت Fiqh of reality استعمال کرتے ہیں جو عصری تقاضوں کے مطابق تاریخی صورت حال کا مقابلہ کرتی ہے۔

وسطانیہ مکتب فکر مصری قوم پرستی کا قائل ہے:

وسطانیہ مکتب فکر مصری تہذیبی تشخص [civilizational identity] یعنی قوم پرستی کے نام کو

بدل کراسے تہذیبی اور ثقافتی تشخص کا نام دیتا ہے کیونکہ مفتی عبدہ، جمال الدین افغانی سے لے کر ناصر تک قوم پرستی کے تصورات نے مصر کو شدید نقصان پہنچایا لہٰذا وسطانیہ نے قوم پرستی کا ایسا متبادل پیش کیا جو بہ ظاہر اسلامی تعلیمات کو بھی انگیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ عملاً وسطانیہ والے عبدہٗ، افغانی اور ناصر سے بھی زیادہ قوم پرست ہیں۔ مصری قوم پرستی اور عرب قوم پرستی ان کے رگ و ریشے میں دوڑ رہی ہے۔ اسلام اور قوم پرستی کبھی یک جا نہیں ہو سکتے اور اگر کبھی ایسا ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اصل اسلام نہیں ہے جو نسل پرستی اور قوم پرستی کا علمبردار ہے۔

حسین ہیکل عرب قومیت، نعمت فواد محض مصری تشخص کے ترجمان بن کر مختلف سیاسی مکاتب فکر کی قیادت کر رہے ہیں۔ ان کے مقابلے میں وسطانیہ جو اخوان المسلمین کے منحرف اراکین اور قرضاوی کی قیادت میں مسلم فکر کے وارث بعض علماء پر مشتمل ہے۔ مصری سیاست میں نو وارد کے طور پر ابھر گئے ہیں۔ وسطانیہ کے نظریات کے باعث سیکولر، قوم پرست اور راسخ العقیدہ قوتوں کو بہ ظاہر ایک قالب میسر آ گیا ہے، جہاں بعد المشرقین کے باوجود جدیدیت کے ذریعے نیا ملاپ ظہور پذیر ہو رہا ہے۔

تہذیبی پروجیکٹ ماضی سے لاتعلق کر دے گا:

وسطانیہ کو اس بات پر فخر ہے کہ تہذیبی پروجیکٹ کا ایجاد کردہ تصور ایک نئی فکری وحدت کے غلبے کی راہ ہموار کرے گا۔ یہ پروجیکٹ Goes beyond religion and all artificial divisions۔ تمام مذاہب سے ماوراء اور تمام مصنوعی فصیلوں سے بالکل الگ ہے۔

وسطانیہ مصر کی عظمت کے سفر کے علمبردار:

وسطانیہ کے خیال میں ہر شخص خواہ کسی قومیت، رنگ، نسل، مذہب، فکر اقدار کا حامل ہو وسطانیہ کے Civilizational project میں اپنے تمام تر تفردات، آزادی فکر کے ساتھ شامل ہو سکتا ہے اور اسے وسطانیہ کی فکر سے اپنے اختلافات کو ختم کرنے کی ضرورت نہیں وہ اپنی فکری وحدت و سالمیت کے ساتھ وسطانیہ کے ہم رکاب سفر کر سکتے ہیں جو مصر کی عظمت کا سفر ہوگا۔ اسلام مذہب سے بڑھ کر ایک تہذیب ہے یہ مذہب اس کا ایک حصہ ہے۔ تہذیبی اسلام تکثیری معاشرے [Plurastics] کی بنیادیں قومی سطح پر قائم کرنے میں کلیدی کردار ادا کر سکتا ہے۔ لہٰذا وسطانیہ جماعت کی رکنیت کے دروازے عیسائی، سیکولر، بے دین، قوم پرست لبرل تمام لوگوں کے لیے کھلے ہوئے ہیں کیونکہ ان سب کے مابین مشترکہ ورثہ انسانیت ہے اور تمام انسان برابر ہیں۔ محض دین مذہب اور الکتاب کے نام پر ایک انسان کو دوسرے انسان پر برتری نہیں دی جا سکتی لہٰذا ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ تہذیبی اسلام کے اس پروجیکٹ میں شریک ہو کر عالم انسانیت کے فروغ کے لیے کام کرے جو جمہوریت،

عدل، سماجی انصاف [سوشل جسٹس] کے ذریعے انجام پذیر ہوگا۔ وسطانیہ کے خیال میں تہذیبی اسلام کے پروجیکٹ کے ذریعے مصری اپنے ماضی سے چھٹکارا پاسکیں گے۔ ماضی کی یادانھیں تنگ نظر اور تنگ خیال بتاتی ہے۔ لہٰذا تہذیبی اسلام پر پوری مصری قوم کے مستقبل کا انحصار ہے۔ اسلام ایک ایسی تہذیب ہے جو دفاعی ردعمل اور خوف کی سطح سے بلند کر کے پوری قوم کے لیے فلاح [پروگریس] اور ترقی [ڈیولپمنٹ] کوممکن بناتی ہے۔ تہذیبی اسلام ترقی اور فلاح کے دونظریات کے گرد گھومتا ہے۔ اس میں اسلام کی روح پنہاں ہے۔ یہ دواصطلاحیں دین اور تہذیب اسلام کو محیط ہیں۔ وسطانیہ کے یہاں نشاۃ ثانیہ کا مطلب تجدید، اجتہاد اور سیاسی عمل ہے۔

وسطانیہ کی اصطلاح قرآن کی اصطلاح ''امت وسط'' سے اخذ کی گئی ہے۔ اس امت میں بلاتفریق رنگ، مذہب، نسل مصر کے تمام لوگ شامل ہیں۔ ان کے خیال میں جدیدیت کا یہ عمل A direct expression of the nature of this nation ہے۔ ان کے یہاں جدیدیت Moderation تشدد پسندی Extremsim کی ضد ہے۔ جدیدیت کی تشریح اس طرح کی جاتی ہے:

Moderation is a commitment to legitimate means and a real desire to achieve progress through peaceful methods? That respect the integrity and Universality of the country.

اس جدوجہد کا طریقہ کار مختصراً ان کے الفاظ میں درج ذیل ہے:

Struggling for a better future but without dismantling society or doing harm to the nations soul.

وسطانیہ کے خیالات مغرب کی مادہ پرستانہ تہذیب سے مختلف نہیں ہیں، زندگی، مقصد زندگی، مقصد کائنات مادی ترقی ارتقاء فلاح کے سوا کچھ نہیں ہے۔

وسطانیہ: تجدید احیاء دین ممکن نہیں:

ماضی کی اقدار نہ آفاقی نہ عالمی:

وسطانیہ تجدید احیائے دین کے قائل نہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ جو زمانہ گزر گیا اسے لوٹایا نہیں جاسکتا۔ ماضی سے ہم روشنی لے کر مستقبل کو شاندار بنا سکتے ہیں لیکن عہد ماضی کا لوٹنا محال ہے۔ ماضی کی اقدار آفاقی اور عالمی نہیں وہ ایک خاص عہد کے ساتھ ختم ہوگئیں، اس عہد کی اقدار مختلف ہیں جو بنیادی حقوق کے نئے مسلمہ تصور سے ابھری ہیں اور مغرب نے اس سلسلے میں ہماری زبردست رہنمائی کی ہے۔

وسطانیہ نے اپریل ۲۰۰۰ء میں ''ایسوی ایشن آف ڈائیلاگ اینڈ کلچر'' کے نام سے ایک غیر سرکاری

تنظیم کی بنیاد رکھی اور وزارت سماجی بہبود سے اس تنظیم کے قیام کا اجازت نامہ حاصل کیا۔ عبدالعلیٰ معدی کو اس تنظیم کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ تنظیم کا مقصد ایک ایسی جگہ کی نمود تھا۔ جہاں مختلف النوع طبقات نعرہ بازی پر مبنی مقبول عام مفروضات سے ہٹ کر تبادلہ خیالات کریں اور قومی مسائل کے حل، افہام و تفہیم سے تلاش کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔ تنظیم کا مقصد ماضی سے قوم کی ثقافتی بنیادوں کو لے کر مستقبل کے لیے ثقافت کی تیاری و تشکیل تھا۔ اس قومی تہذیبی ورثے کے لیے قومی تہذیب کے تمام عناصر، مذہب، تاریخ، زبان، لوگوں کے زرخیز ثقافتی ورثہ سے استفادے کی کوشش کی گئی۔ اس سلسلے میں تمام مکاتب مذہب اور مختلف النوع مقاصد رکھنے والے رائے عامہ کے رہنماؤں کو شریک کیا گیا تاکہ وہ اپنے اختلافات کے باوجود مکالمے کے اس عمل میں شریک ہوں۔ ایک دوسرے کے نقطۂ ہائے نظر کو سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ قومی سطح پر تمام گروہ ایک دوسرے کے قریب آسکیں اور ثقافتی ورثے کی تجدید نو کر کے ماضی اور مستقبل کے درمیان ایک پل تعمیر کر سکیں۔

راسخ العقیدہ اور جدیدیت پسندوں کا اشتراک عمل ممکن ہے:

وسطانیہ نے سول سوسائٹی کی اصطلاح کا متبادل کمیونل سوسائٹی تخلیق کیا ہے تاکہ مذہبی حلقوں کو ان کی جدیدیت پریشان نہ کرے۔ وسطانیہ کا دعویٰ ہے کہ اس نے تہذیبی پروجیکٹ کے ذریعے ایک ایسا راستہ تلاش کر لیا ہے جس پر راسخ العقیدہ اور جدیدیت پسندوں کے دھاروں کو مجتمع کیا جا سکتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا تجربہ ہے جس میں آگ اور پانی ایک ساتھ جمع کیے گئے ہیں لیکن نہ آگ اپنی تپش سے محروم ہوگی نہ پانی اپنے خواص کھودے گا۔ دونوں دھارے تمام خصائص کے ساتھ وسطانیہ کے مرکزی دھارے کا حصہ بن کر ایسے سماج کی تشکیل کریں گے جس کے آدرش میں ترقی اور فلاح کو مرکزی مقام حاصل ہوگا۔ وسطانیہ جمال الدین افغانی اور عبدہ کو اپنی اجتہادی کاوشوں میں مرکزی مقام دیتے ہیں جنھوں نے حکومت کے مذہبی ہونے کے بجائے اس کے سول کردار کو اہمیت دی، وہ عبدہٗ کو حرف آخر نہیں سمجھتے۔ وہ حسن النباء کے سیاسی فلسفے سے بھی ایک خاص حد تک متاثر ہیں۔ وہ حسن النباء کی جانب سے اقتدار حکومت سیاست کو مذہبی فکر میں مرکزی مقام دینے کے مفروضات کو درست نہیں سمجھتے۔ وہ سید قطب کی حکمت عملی سے بھی متفق نہیں جو ضرورت کے وقت ارباب حکومت کا تختہ الٹنے کو جائز طریقہ قرار دیتی ہے۔ اخوان کے مفکرین حسن الشمعی اور توفیق السہوی وسطانیہ کے ترقی اور فلاح پر مبنی جدید فکر کے خلاف ہیں لہٰذا وسطانیہ ان کی فکر کو مسترد کرتے ہیں۔

اسلام عقیدہ و سائنس پر مبنی تہذیب ہے:

قرضاوی کے خیال میں مغرب نے کمپیوٹر ایجاد کیا اور ہم عربی زبان میں اس کے نام کے تعین کے لیے سرگرداں ہے۔ اسرائیل نے سٹیلائٹ کی تعمیر تصنیف کے میدان میں سبقت حاصل کی اور ہم ان مذہبی بحثوں

میں الجھے رہے کہ تصویر حلال ہے یا حرام ہے۔ایسا کرنا جدید دنیا سے ناواقفیت کی علامت ہے۔یہ انداز نظر جدید دنیا کے حوالے سے غیر ذمہ دارانہ فکر کی نشاندہی کرتا ہے۔خالی خولی نعرے،جذباتی ردعمل،ہنگامہ خیزی کی سیاست نے اسلام کا حقیقی چہرہ مسخ کر دیا ہے۔

وسطانیہ فلسطینی خودکش حملوں کے حامی ہیں:

وہ اسلام کو عقیدہ اور سائنس پر مبنی ایک ایسی تہذیب سمجھتے ہیں،جس کے نتیجے میں پیداوار میں زبردست اضافہ عادلانہ تقسیم،مادی اور روحانی ترقی کا حصول ممکن ہوجاتا ہے۔ان کے خیال میں مغربی تہذیب دنیا کو نہ تو سماجی انصاف مہیا کر سکی نہ روحانی خوشیاں دے سکی۔یہ دونوں کام محض اسلامی تہذیب ہی کر سکتی ہے۔ وسطانیہ انتفاضہ کے دوسرے جنم الاقصیٰ انتفاضہ کے حامی ہیں،وہ اسے مزاحمت کی علامت سمجھتے ہیں جسے ہر حال میں زندہ اور جاری وساری رہنا چاہیے۔اس کے نتیجے میں راسخ العقیدہ اسلامی جذبات تابندہ رہیں گے۔وہ انتفاضہ کی قومی مزاحمت کے حامی ہیں جو اسرائیلی ملک گیری کا جوابی ردعمل ہے جس نے فلسطین کے اصل عرب باشندوں کو ان کی زمینوں سے جبراً بے دخل کر دیا ہے اور آبادکاروں کے ذریعے غزوہ کو اسرائیلی سرحدوں کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔فلسطینیوں کی مزاحمتی جدوجہد پتھروں سے خودکش دھماکوں تک وسیع ہوچکی ہے۔وسطانیہ اس خونی جدوجہد کی بھرپور حمایت کرتے ہیں کیونکہ یہ جدوجہد عربی قومیت کا ایک لازمی جزو ہے۔اس مقام پر وہ رواداری، مکالمے،افہام وتفہیم،تبادلہ خیالات کے اپنے تہذیبی منصوبے سے دستبردار ہوجاتے ہیں اور یہاں جدوجہد مزاحمت خودکش حملوں کو صورت حال کا درست حل تسلیم کرتے ہیں۔وہ اس صورت حال کا ذمہ دار اریل شیرون کو قرار دیتے ہیں۔کیمپ ڈیوڈ معاہدے پر وسطانیہ کو تبصرہ یہ تھا:

From this spit in the face and kick in the stomach. It is contempt for the Palestinians and the Arabs that the disdaiful and hypocritical terms of the dintion. proposal signaled.

وسطانیہ کے خیال میں امریکہ نے کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے ذریعے اس نقطہ نظر کا بلیغ اظہار کیا ہے کہ فلسطینی:

As an inferior people who did not deserve to live [as human beings] and these for have the obligation to accept what Israel dictaties.

یوسف قرضاوی یروشلم کو صرف فلسطینیوں کا نہیں بلکہ تمام عربوں کا ورثہ سمجھتے ہیں ان میں عیسائی اور مسلم برابر کے شریک ہیں۔پوری عرب قوم پر اس ورثے کی ذمہ داری ہے۔

ساحل اکتوبر ۲۰۰۵ء

وسطانیہ مقبوضہ علاقوں میں عربوں کی واپسی کو یروشلم سے زیادہ اہم سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں مقبوضہ بیت المقدس کی واپسی سے زیادہ مقبوضہ علاقوں کی واپسی اہم ہے۔

وسطانیہ روادار الاسلام، پرامن اسلام، بےخوف وخطر اسلام، یلغار اور للکار سے محفوظ اسلام کے مدعی ہیں لیکن فلسطینیوں کے معاملے میں ان کے جذبات قومی جذبات میں تبدیل ہوجاتے ہیں اور فلسطینیوں پر ہونے والے مظالم اور ان مظالم کا ردعمل خودکش حملے وسطانیہ کی نظر میں جیسے کو تیسا والا معاملہ بن جاتے ہیں۔ ہویدی الاہرام میں اپنے کالم میں لکھتے ہیں: [۷/نومبر ۲۰۰۰ء]

It expresses an uprising that many had considered over. It means that the invadors will not enjoy in peace what they from their victims by terrible crimes that will neither be forgotten nor forgiven.

خودکش جوابی حملوں کے جواز کو وہ سیاسی اسلام کی جانب سے طاقت کے استعمال کی حکمت عملی کے جواز میں پیش کرنے کی تردید کرتے ہیں اور واضح الفاظ میں بتاتے ہیں کہ:

Lessons should be drown in ways that suited then circumstances and purposes.

وسطانیہ کا یہی نقطۂ نظر مصر کے سیکولر حلقوں کو گوارا نہیں ہے۔ وہ وسطانیہ کے مکمل سیکولرازم کے باوجود اسے قبول کرنے پر تیار نہیں۔ ان کا موقف ہے کہ وسطانیہ بھی اندر سے دہشت گرد ہے اور اس کی رگوں میں جہادی خون رواں دواں ہے۔ اس نے دھوکہ دینے کے لیے جدیدیت، ماڈرن ازم، وسیع المشرقی، رواداری کا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔

امریکی اسرائیلی مصنوعات کا سرکاری بائیکاٹ نہ کیا جائے:

وسطانیہ والے اسرائیل سے کسی گرم جوش تعلقات کے حامی نہیں وہ شدید مخالف ہیں۔ فلسطینیوں کی حمایت میں وسطانیہ اسرائیلی اور امریکی مصنوعات کے بائیکاٹ کی مہم کی بھی حمایت کرتے ہیں۔ مصر میں امریکی، اسرائیلی منصوعات کے بائیکاٹ کی جزوی کامیاب مہم کے نتیجے میں ان ممالک کے ادارے اپنے ملازمین میں مصری شہریت کے لوگوں کی کثرت سے ملازمتیں دے رہے ہیں۔ ان اداروں کے نجی ریڈیو مذہبی نغمات نشر کرتے ہیں اور رمضان میں غریبوں کو افطاری مہیا کرنے کے لیے بڑی بڑی نہریں مختلف علاقوں میں سمجھاتے ہیں۔

وسطانیہ والے امریکی اسرائیلی بائیکاٹ کو صرف نجی سطح تک محدود رکھنے کے علمبردار ہیں وہ اس بائیکاٹ سے ریاست کو دور رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ انھوں نے کبھی ریاستی سطح پر بائیکات کی مہم کا مطالبہ نہیں کیا نہ

امریکی اسرائیلی سفیروں کی واپسی یا سفارتی تعلقات منقطع کرنے پر زور دیا۔ اس منافقانہ طرزِ عمل کی بھی توجیہہ ان کے پاس ہے:

That the Governments have necessities while people have choices and thus more freedom. Citizen do not have the same constraint as states do.

وسطانیہ کے مفکرین القدس کی آزادی کے سلسلے میں اخون المسلمون کی جدوجہد اور خدمات اور خدمات وقربانیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ اخوان سے شدید اختلاف کے باوجود فلسطین کے مسئلے پر جو وسطانیہ کی نظر میں قومی نسلی اور عربی مسئلہ زیادہ ہے۔ مذہبی مسئلہ کم ان کا زبردست اشتراک عمل ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جدیدیت پسند دنیا میں ہر جگہ قومیت کو مذہب پر مقدم رکھتے ہیں۔ اور استعماری طاقتوں کے یا تو حلیف بن جاتے ہیں اور اگر بہ ظاہر حریف بھی تو محض ایسے حریف جس کے طرزِ عمل سے فریق مخالف کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ جدیدیت پسندوں کی پوری تاریخ عالم اسلام میں اسی کردار کی حامل رہی ہے۔ جمال الدین افغانی، سرسید احمد خان سے لے کر مفتی عبدہٗ، شبلی نعانی، وحید الدین خان اور یوسف القرضاوی تک جدیدیت پسند استعماریت کے زبردست حلیف بنے رہتے ہیں۔

وسطانیہ: قوم پرستی کی نئی شکل

محمد الغزالی نوجوانوں کو نصیحت کرتے تھے کہ وہ جاں فشانی اور انتھک محنت سے کام کریں جس کے نتیجے میں ہم ترقی کریں اور ایسے حالات پیدا ہوسکیں کہ یروشلم واپس مل جائے۔ اسی مقصد کے لیے طویل منصوبہ بندی کی ضرورت ہے تاکہ امت مسلمہ وہ حالات پیدا کرسکے جس کے نتیجے میں القدس کی آزادی ممکن ہو۔ یہ منزل جلسے جلوس، مظاہروں اور گڑ بڑ سے نہیں مل سکتی۔ جدیدیت پسند ایک ایسے اسلوب میں بات کرتے ہیں جس کا فائدہ ہمیشہ استعماری طاقت کو ہوتا ہے۔ وہ ملت اسلامیہ کے موثر کردار کا ذکر کرتے ہیں لیکن یہ نہیں بتاتے کہ یہ موثر کردار کیسے پیدا ہوگا۔ وسطانیہ مصری قومیت کی علمبرداری میں سب سے آگے ہیں ان کی قومیت اور تہذیب تمام چیزوں پر مقدم ہے، ان کے افکار میں عالمی اسلامی ریاست یا خلافت فی الارض کا کوئی تصور ممکن ہی نہیں ہے، کیونکہ یہ فکر مصری قومیت کے ضمیر سے اٹھا گئی۔ جدیدیت کے پتلے میں اسلام کی روح نہیں پھونکی جاسکتی۔ اس تحریک کا عرب قوم پرستوں سے ایک عارضی تعاون تو ممکن ہے لیکن یہ تحریک اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لیے کوئی کردار ادا کرنے سے قاصر ہے۔ وسطانیہ کے مفکرین فلسطینیوں کے لیے برپا تحریک مزاحمت کو اس تہذیبی مزاحمت کا حصہ نہیں سمجھتے، جس کا مقصد دنیا بھر سے مغربی استعماریت کا خاتمہ ہے۔

عالمگیر اسلامی ریاست کا قیام ضروری نہیں:

پی ایل او کے منشور کے مطابق وہ ایک قومی تحریک ہے جس میں عیسائی غیر مسلم اور مسلمان برابر کے شریک ہیں اور اپنے وطن کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ یہ جدوجہد کسی اسلامی مقصد، اسلام کی عالمگیر ریاست کے قیام کے لیے نہیں بلکہ مخصوص سرحدوں کی بحالی ہے اور وطن کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ یہ جدوجہد کسی اسلامی مقصد، اسلام کی عالمگیر ریاست کے قیام کے لیے نہیں بلکہ مخصوص سرحدوں کی بحالی اور وطن کی جدوجہد ہے۔ وسطانیہ اسی بنیاد پر اس تحریک کی حمایت کرتی ہے۔ وہ مسئلہ بیت القدس کو ایک ایسا دھاگہ تصور کرتے ہیں جس کے ذریعے عیسائیت اور اسلام ہم رشتہ ہو جاتے ہیں اور ایک ہی رنگ میں رنگ جاتے ہیں، ان کے خیال میں ارض فلسطین، بون اور القرہ نہیں ہیں کہ جب چاہا دارالحکومت برلن لون منتقل کر دیا یا استنبول سے انقرہ یہ سرزمین اپنی نوعیت کی منفرد زمین ہے جس کے مستقبل کا فیصلہ صرف فلسطینی نہیں کر سکتے۔ یہ عالمی انسانی تاریخی مسئلہ ہے۔ اس سرزمین کی قیمت کا فیصلہ صرف اس زمین کے باشندے نہیں کر سکتے۔

وسطانیہ: اسرائیل امریکہ امن مذاکرات:

جنوری ۱۹۹۵ء میں شیخ عبدالعزیز بن باز نے ایک فتویٰ جاری کیا جس میں اسرائیل فلسطین مسئلے کے حل کے لیے پرامن تصفیے کی قرآن وسنت کی روشنی میں بھرپور حمایت کی گئی تھی۔ یوسف القرضاوی نے اس فتویٰ کو رد کر دیا اور لکھا کہ امریکا اور اسرائیل جس عمل کو امن سمجھتے ہیں اسلام اسے مسترد کر دیتا ہے۔ قرضاوی کے خیال میں صرف قرآن وسنت پر مبنی علم بذات خود اسلامی معاشرہ کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہے۔ الہامی متن کے اطلاق موجودہ تاریخی تناظر اور حالات میں پوری نہیں کی جاسکتی۔ قرضاوی کا استدلال یہ ہے کہ قرآن وسنت سے ثابت ہے کہ اگر کوئی امن کی پیش کش کرے تو اسے بلا تردد قبول کر لیا جائے لیکن قرآنی ہدایت امریکہ و اسرائیل کے معاملے میں قابل عمل نہیں ہے کیونکہ یہ امن مسلط کیا جا رہا ہے اور اوسلو اور میڈرڈ میں اس امن کو خاص مقاصد کے لیے تخلیق کیا گیا ہے۔ قرآن وسنت کسی مسلط کردہ امن کی وکالت نہیں کرتے۔ یہ روح قرآن وسنت کے منافی ہے اوسلو میڈرڈ معاہدہ امن کو قرآن وسنت کی روشنی میں مسترد کرتے ہوئے قرضاوی کہتے ہیں کہ اس کی مثال اس شخص کی ہے جس نے تمہارے عالیشان گھر پر قبضہ کر لیا ہے۔ تمہیں بے دخل کر دیا سالہا سال تک تم سے جنگ کی پھر کہا کہ آؤ ہم صلح کر لیں کیوں کہ صلح سب سے بہتر ہے اس سے بہتر کیا طریقہ ہوسکتا ہے اس امن کے نتیجے میں اس مقبوضہ گھر کا ایک کمرہ غاصب نے تمہیں عطا کر دیا ہے اس شرط پر کہ اب تم اپنی جدوجہد سے دست کش ہو جاؤ کہا ایسے کسی شخص کو امن کا داعی سمجھا جاسکتا ہے۔

صرف قرآن اور حدیث سے استدلال کرنا فقہ حقیقت کو نظر انداز کرنا ہے قرآن وحدیث کا اطلاق

کرتے ہوئے یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ حقیقت واقعہ کیا ہے وہ کیا حالات تھے جس میں یہ احکامات دیے گئے تھے اوراب کیا حالات ہیں جن میں ان احکامات کا اطلاق کیا جارہا ہے۔

وہ شیخ بن باز کو مشورہ دیتے ہیں کہ جس طرح معاش اور طب کے مسئلے پر فتوی دینے سے پہلے کسی ماہر معاشیات یا ماہر طب سے رجوع کرنا ضروری ہے اس طرح بین الاقوامی امور پر فتویٰ دینے سے پہلے حالات و زمانہ کا جائزہ لینا چاہیے یا ان امور کے ماہرین سے مشورہ کر کے فتوی جاری کرنا چاہیے۔

وسطانیہ کی فقہ حقیقت صرف تحریف دین کے لیے ہے:

یوسف قرضاوی کا نظریہ فقہہ حقیقت نہایت اہم نظریہ ہے لیکن یہ نظریہ صرف عرب قومیت کے مسئلے میں اپنی پوری شدت طاقت اور توانائی کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے لیکن جسے ہی مغرب کے افکار، اس کی اصطلاحات رواداری، آزادی، سوشل جسٹس قرضاوی کے سامنے آتی ہیں تو ان کی فقہ حقیقت حقیقت اور اصلیت سے منہ موڑ کر دامن چھڑا کر مغربی اصطلاحات کو بلاتردد، بلاشک وشبہ قبول کر لیتی ہیں۔ اس وقت قرضاوی کو یہ خیال نہیں آتا کہ اس اصطلاح کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی تاریخ کیا ہے؟ یہ اصطلاح کس تاریخ سے کتنے رنگوں کے ساتھ برآمد ہوئی ہے اس اصطلاح کا اصل پس منظر کیا ہے، وہ فاختہ کو دیکھ کر امن کا یقین کر لیتے ہیں لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ یہ فاختہ کس نے اڑائی ہے اور اس فاختہ کی چونچ کتنے ارب انسانوں کے لہو میں ڈوبی ہوئی ہے۔ مغرب کے افکار نظریات کے سامنے یوسف قرضاوی ایسے بچھ جاتے ہیں جس طرح غالب معشوق کی آمد پر بچھ جایا کرتے تھے لیکن غالب کے یہاں بچھنے بچھانے کے عمل میں بھی ایک شان قلندرانہ تھی۔ لیکن وسطانیہ کے مفکرین اور تمام جدیدیت پسند علماء فقہاء صلحاء مغرب کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہوئے شان قلندرانہ سے دستبردار ہونے میں کوئی شرعی قباحت محسوس نہیں کرتے۔

یوسف قرضاوی اور وسطانیہ کی حالت مغرب کے بارے میں اس شاعر کی دلی کیفیت سے زیادہ نہیں ہے۔ جس نے کہا تھا:

ہے خبر گرم ان کے آنے کی
بچھ گیا خود جو بوریا نہ ہوا

یوسف قرضاوی شیخ بن باز کو جو ہدایت دے رہے ہیں اس کا براہ راست اطلاق ان پر بھی ہوتا ہے وہ مغربی فلسفے سے قطعاً ناواقف ہیں، انھیں مغربی فلسفیانہ مباحث پر کوئی عبور حاصل نہیں، وہ سرمایہ داری کی تاریخ، جدید سائنس کے فروغ کی تاریخ سے قطعاً ناواقف ہیں۔ وہ بنیادی انسانی حقوق کے فلسفے کی اصل سے بھی ناواقف ہیں لیکن اس عدم واقفیت کے باوجود وہ نہایت اعتماد کے ساتھ مغرب کی تمام اقدار، اصطلاحات کو اسلامی جواز عطا

کر رہے ہیں۔ ان کے تمام فتاویٰ اسی جاہلیت پر مبنی ہیں جس جاہلیت کا الزام وہ شیخ بن باز کے فتوے کو دے رہے ہیں۔

وسطانیہ کا مستقبل منصوبہ: مغرب کا پسندیدہ

ارض فلسطین کے حصول میں مصری نوجوان کیا کردار ادا کر سکتے ہیں اس کا جواب وسطانیہ کے پاس بہت خوبصورت ہے یہ خوبصورت جواب استعماری طاقتوں کو بہت پسند ہے اسی لیے قرضاوی اور وسطانیہ کے پیش کردہ اسلام کے لیے مغرب نے بڑی زبردست اصطلاح استعمال کی وہ اصطلاح ہے Islam without fear وسطانیہ والے جذباتی مصری نوجوانوں کو ایک کہانی سناتے ہیں تمہارے گاؤں میں کسی غریب شخص کی زمین پر کوئی جاگیردار قبضہ کرے تو بتاؤ تم کیا کر سکتے ہو اور وہ خود کیا کر سکتا ہے ظاہر ہے کچھ بھی نہیں وہ طاقت ور ہے ہم سب کمزور ہیں ہم کچھ نہیں کر سکتے ہم بے بس مجبور بے کس ہیں لیکن ایک کام ہے جو ہم تم اور سب کر سکتے ہیں وہ کام ہے کہ تم زمین پر قبضے کی کہانی اپنے بچوں کو سناؤ غاصب کے غاصبانہ جارحانہ طرز عمل سے اپنے لوگوں کو آگاہ کرو زمین پر قبضے کی کہانی سنانے کا سلسلہ جاری وساری رکھو ایک نسل سے دوسری نسل تک اگلی سے اگلی نسل تک کہانی سناتے رہو کہاوت کی شمع جلاتے رہو اپنی زمین کو کبھی اور کسی حال میں فراموش نہ کرو یہ ہے وہ طرز عمل جو ہم سب اختیار کر سکتے ہیں اگر ہمارے حکمراں کمزور ہیں تو کیا ہوا ہم اپنی کہانیاں کہتے رہیں گے اور وسطانیہ کا یہ موقف ہمارے ایک جاہل شاعر نے بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

یہ ہجر کی شب جو تیرہ تر ہے دراز تر ہے محیط تر ہے
کہانیاں اپنی کہتے کہتے یہ رات ہم بھی گزار دیں گے

وسطانیہ کی استعمار دوست حکمت عملی دیکھیے کہ مقبوضہ فلسطین میں فلسطینیوں کی جدوجہد کی بھرپور حمایت کرتی ہے لیکن اپنے ملک میں عافیت کی زندگی بسر کرنے کے لیے اپنے نوجوانوں کو کہانی کی ڈگڈگی تھمادیتی ہے آخر یہ ڈگڈگی فلسطینیوں کے ہاتھ میں کیوں نہ دی جائے جب کہانیاں سنانا اتنا موثر ہتھیار ہے تو پھر یہ ہتھیار فلسطینی کیوں نہ اٹھائیں انھیں چاہیے کہ تاریخ میں پشاور کے قصہ خوانی بازار کو آواز دیں وہاں کے قصہ خوانوں کو فلسطین میں بلائیں ہر قہوہ خانے میں قصہ کا دربار سجادیں اور قصوں کے ذریعے اپنی زمینوں پر قبضے کی داستان نسل در نسل منتقل کر دیں۔ انشاء اللہ کبھی نہ کبھی افاقہ ہوگا یہاں یوسف قرضاوی کی فقہ حقیقت (Fiqah of Reality) کی کاری گری نظر آتی ہے فلسطین کے حالات ایسے ہیں کہ فلسطینی پر تشدد جدوجہد جاری رکھ سکتے ہیں لیکن مصر میں حالات ایسے نہیں ہیں لہٰذا تفقہ فی الدین کا تقاضہ یہ ہے کہ فلسطین میں عسکری مقابلہ ہو مصر میں کہانیوں میں زندگی بسر کرو طالبان کا ذکر کرتے ہوئے وسطانیہ کہتے ہیں کہ ''وہ لوگ جو اسلام سے نفرت کرتے

ہیں طالبان کا وجود ان لوگوں کے لیے ایک عطیہ ہے''۔ وسطانیہ نے روس کے خلاف جہاد افغانستان کی بھر پور حمایت کی انھوں نے عالم عرب کے نوجوانوں کو ترغیب و ترہیب کے ذریعے جہاد افغانستان میں بھر پور شرکت پر آمادہ کیا[اس وقت انھیں فقہ حقیقت نظر نہیں آئی اور نہ ہی بین الاقوامی تعلقات اور عالمی معاہدے نظر آئے جن کا احترام قرآن وسنت کی روشنی میں لازمی ہے۔ ان حکومتوں سے معاہدے ختم کرنے کا اعلان ضروری ہے اس کے بغیر جنگوں میں مجاہدین کی شرکت نہیں ہوسکتی فقہ کے یہ بنیادی اصول اس وقت یاد نہیں رہے جب مقاصد کچھ اور تھے]

یوسف القرضاوی اور افغانستان: مذاکرت کیوں شروع نہ ہوسکے؟

یوسف القرضاوی اور ان کے رفقاء نے ۱۹۸۹ء میں افغانستان سے روس کے انخلاء کے بعد اسلامی تنظیموں میں جاری جنگوں کو ختم کرانے کے لیے کردار ادا کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ اس پر مشتعل ہو کر محمد الغزالی نے لکھا کہ:

The resistance fighters in the name of Islam had become simply murdurors and bandits seeking power and the spoils of war thus besmirching Islam's reputation.

سوال یہ ہے کہ ہزاروں عرب نوجوانوں کو جہاد میں شمولیت پر آمادہ کرنے سے پہلے وسطانیہ کو ان اسلامی گروہوں کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔ کیا وسطانیہ نے ان مختلف الفکر گروہوں کو جہاد کے دوران کسی مرکزی قیادت پر مجتمع کرنے کی کوشش کی؟ کیا جہاد کی شرائط میں مرکزی قیادت کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ کیا انھیں اندازہ نہ تھا کہ مرکزی قیادت کے بغیر ہونے والا جہاد بکھر سکتا ہے، منتشر ہوسکتا ہے، اس وقت فقہ حقیقت کہاں تھی؟

قرضاوی طالبان کے اسلام کو اسلام نہیں سمجھتے:

قرضاوی کے خیال میں طالبان نے کابل کو اور تمام حکومتی نظام کو تباہ کردیا، طاقت کا بے دریغ اور بے جا استعمال کیا، عورتوں کو کام کرنے سے جبراً روک دیا، لڑکیوں کے مدرسے بند کردیے، لوگوں کو داڑھیاں بڑھانے اور سر پر ٹوپیاں رکھنے پر مجبور کیا۔ وہ یہ بھول گئے کہ اسلام یہ نہیں ہے اصل اسلام تو ''عدل''[Justice] ہے، اسلام کی روح اور مغز عدل میں پنہاں ہے۔ طالبان جاہل مسلمان تھے جو روایات کو مذہب سمجھ بیٹھے وہ متن وحی کو جانتے تھے لیکن جو چیزیں ان کے مقاصد و مطالب کے مطابق تھیں وحی الٰہی سے انھوں نے صرف انہی چیزوں کو اخذ کیا۔ اس جاہلیت کے باعث اسلام کا چہرہ مسخ ہو کر رہ گیا۔ کسی حکومت کو اسلامی اس وقت کہا جاسکتا ہے جب کہ

وہ ترقی [progress] کے ذریعے عدل [justice] کا قیام کر سکے جو اسلام کی کلیدی قدر ہے۔ طالبان نے ہمارے دل توڑ دیے ہیں، ان کی قدامت پرستی اور جھگڑالو طبیعت نے اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔

وسطانیہ: مذہب انسانیت کے قائل ہیں

وسطانیہ مغرب کی اصطلاح Humainism، Human being سے شدید متاثر ہیں اور سترہویں صدی میں مغرب کے تخلیق کردہ ''مذہب انسانیت'' کو تمام مذاہب عالم کی مشترکہ میراث، تمام انسانوں کا مشترکہ ورثہ سمجھتے ہیں جو تمام تہذیبوں اور ثقافتوں میں زماں و مکاں کے تسلسل کے ساتھ مشترکہ طور پر موجود تھا لیکن اب صدیوں سے اس ''مذہب انسانیت'' کو فراموش کر دیا گیا۔ اس کو دوبارہ زندہ کیا جا رہا ہے تاکہ ایک عالمی معاشرہ تعمیر کیا جا سکے۔ جس میں تمام انسان برابر ہوں، کسی کو کسی دوسرے پر مذہب نسل زبان و رنگ کی بنیاد پر برتری حاصل نہ ہو سکے۔ تمام انسان ایک ہو جائیں اور سب کے حقوق بھی یکساں ہو جائیں۔

مغرب کا مذہب انسانیت اختیار کیا جائے:

ان کے خیال میں تمام دنیا کو اور دنیا کی تمام اقوام کو صرف ایک نکتے ''مذہب انسانیت'' پر مجتمع ہونا چاہیے۔ مغرب نے اس مذہب کو اختیار کر لیا ہے، اس کے ذریعے تمام تہذیبوں کے درمیان باہمی اشتراک پیدا کیا جا سکتا ہے۔ ان کے خیال میں مذہب انسانیت، انسانی حقوق کے احترام، نسلوں مذاہب قوموں میں اختلاف کے باوجود احترام اختلاف کی روایت کے ذریعے ہی انسانیت کی تشکیل کی جا سکتی ہے۔ وسطانیہ کے مفکر منشور حقوق انسانی کو ایک عالمگیر سچائی، الحق، سمجھتے ہیں جسے پوری دنیا نے بلاتردد تسلیم کر لیا ہے۔ وہ اس منشور کی اصل حقیقت، اس کی تاریخ اس کے علیہ و ما علیہ، اس کی حقیقت سے قطعاً ناواقف ہیں اور اپنے اصولوں کی خود تحقیر میں مصروف ہیں۔ وسطانیہ والے مغرب، امریکہ کی بہیمیت کی تاریخ سے ناواقف ہیں، انھیں یہ تک معلوم نہیں کہ اٹھارہویں صدی میں مذہب انسانیت کی ایجاد کے بعد صرف ڈھائی سو سال میں اس مذہب کے ماننے والے یورپی لوگوں نے دنیا میں پونے دو ارب انسانوں کا قتل عام کیا۔ اس سے پہلے دنیا کی پوری تاریخ میں اتنے لوگ کبھی اور کہیں نہیں مارے گئے۔

عالمگیر معاشرہ حقوق انسانی کی بنیاد پر قائم کیا جا سکتا ہے:

وسطانیہ منشور حقوق انسانی کی بنیاد پر عالمی انسانی معاشرے کی تشکیل کو عالمگیر اصول اور عالمگیر قانون کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ وہ حقوق انسانی کی بنیادیں اپنی تاریخ میں تلاش کرتے ہیں اور مغرب سے درآمد شدہ اس منشور کی اسلامی صورت گری کرتے ہیں۔ اس منشور کی اساس پر تمام اقوام سے اشتراک عمل کا موقع نکل آتا ہے۔ حقوق انسانی کی تشریح اپنے خاص اسلامی تناظر میں کرتے ہیں تاکہ ان حقوق کے خمیر میں موجود رد مذہب کی

روکو کسی حد تک روکا جاسکے اور مغرب اور مشرق کے مابین خصوصاً اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب کے درمیان تصادم تناقص اور تنافر کو کم سے کم کیا جاسکے بلکہ مکمل طور پر ختم کر دیا جائے۔

بنیادی حقوق: جبلی حقوق ہیں

وسطانیہ کے مفکر حقوق انسانی کو مغربی جنیالوجی سے الگ کر کے اسے اسلامی رنگ دینے کے لیے پیہم کوشاں ہیں کیونکہ وہ اسے تہذیبوں کے مابین اشتراک کی مضبوط واحد اور موثر اساس سمجھتے ہیں۔ وہ بنیادی حقوق کو جبلی حقوق کا درجہ دیتے ہیں۔ وہ عالمگیر سماجی تحریکوں کے زبردست حامی ہیں خصوصاً وہ تحریکیں جو بنیادی حقوق اور سماجی عدل کے لیے متحرک ہیں، وسطانیہ ان تمام اسلامی تحریکوں کی مذمت کرتے ہیں جو بنیادی حقوق سے متعلق مغربی نقطۂ نظر اور سماجی تحریکوں کو اسلامی معاشروں کے لیے اجنبی قرار دیتے ہیں اور انھیں غیر اسلامی ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

وسطانیہ کا مغرب سے عملی اشتراک:

وسطانیہ کے رہنما مغرب کے استعماری ایجنڈے کی تکمیل کے لیے عالمی سطح پر منعقد کی گئی سات کانفرنسوں میں دل جمعی کے ساتھ شریک ہوئے، ان کانفرنسوں کے مقاصد اہداف پر انھیں کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ ان کانفرنسوں کو وہ ''ایک عالمی مشترکہ آئین'' کی جانب اہم پیش رفت تصور کرتے ہیں جس کے ذریعے اقوام عالم مذاہب عالم، تہذیب عالم اور تمدن عالم کے مابین تمام اختلافات کا قلع قمع ہو جائے گا اور مذہب انسانیت دنیا پر حکومت کرے گا۔ عالمی استعماری ایجنڈے کی تکمیل کے لیے پہلی کانفرنس ۱۹۹۵ء میں کوپن ہنگین میں سوشل جسٹس کے موضوع پر منعقد ہوئی۔ یہ اپنے سلسلے کی پانچویں کانفرنس تھی۔ پہلی کانفرنس ''بچوں پر'' نیویارک میں، دوسری کانفرنس ماحولیات پر Roide Janeiro میں، تیسری ہیومن رائٹس پر جینوا میں، چوتھی پاپولیشن اینڈ ڈیولپمنٹ پر قاہرہ میں پانچویں عورتوں پر بیجنگ میں اور چھٹی کانفرنس جرائم پر منعقد ہو چکی ہے۔ ان کانفرنسوں میں منظور کردہ قرار دادیں تمام مذاہب، تہذیبوں کے لیے عالمگیر خطرہ بن چکی ہیں لیکن وسطانیہ کے مفکرین ان کانفرنسوں کو دنیا کے حق میں خیر تصور کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ایک عالمی آئین تشکیل پاتا ہوا دیکھ رہے ہیں جس کے باعث دنیا کی تمام قوموں کے تمام تنازعات طے ہو جائیں گے۔ ان کا خیال ہے کہ ان کانفرنسوں میں منظور شدہ قرار دادیں تمام اقوام عالم کی مشترکہ میراث، متفقہ اخلاقیات اور باہمی اشتراک عمل کی بنیاد مہیا کرتی ہیں اور ان کا احترام عالم اسلام پر واجب ہے۔

عالمی استعمار کی اقدار اسلامی اقدار ہیں:

قاہرہ کانفرنس کے اعلامیہ کو وسطانیہ نے اسلام کی اقدار کی تکرار قرار دیا گویا عالمی استعمار اسلامی

اقدار کے فروغ کے لیے دنیا بھر میں کانفرنسیں منعقد کر رہا ہے۔ تاکہ ساری دنیا اسلامی اقدار کو قبول کرلے۔ کانفرنس نے عورتوں کو میراث میں مردوں کے برابر حقوق دینے کا اعلان کیا۔ وسطانیہ اس اعلان کو کوئی خطرہ نہیں سمجھتے، ان کے خیال میں کانفرنس نے وعدہ کیا ہے کہ اعلامیہ کا اطلاق ہر معاشرے کی روایات کے مطابق ہوگا۔ لہٰذا اس اعلامیے سے اسلامی اقدار و روایات کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہوگا۔ ویسے بھی وسطانیہ ایک نئی فقہہ تیار کر رہی ہے جس کے ذریعے مغربی اہداف کی اسلام کاری قرآن وسنت کی نئی تشریح کے ذریعے با آسانی ممکن ہوگی۔

مغرب نے شریعت کا بھولا سبق یاد دلایا:

وسطانیہ نے کانفرنس کے اعلامیے سے اتفاق کرتے ہوئے اعلان کیا کہ مردوں کا فرض ہے کہ وہ تمام گھریلو کام کاج میں عورتوں کا ہاتھ بٹائیں اور بچوں کی پرورش وافزائش میں عورت کے شانہ بہ شانہ حصہ لیں۔ وسطانیہ کے خیال میں ہمیں اس کانفرنس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں شریعت کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا کہ مرد عورت کے شانہ بہ شانہ کام کرے اور گھریلو ذمہ داریوں سے فرار اختیار نہ کرے۔ یہ قرارداد کانفرنس کی ایجاد نہیں یہ تو اسلام کی گمشدہ میراث ہے۔ ہمیں یہ میراث یاد دلانے پر کانفرنس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ وسطانیہ مغرب کی اصطلاح مساوات سے قطعاً ناواقف ہیں۔ اس مساوات کے ذریعے مغرب میں Feminism کی زبردست تحریک اٹھی جس نے اس قسم کے مطالبے کیے جو وسطانیہ اب کر رہا ہے، ان مطالبوں کے نتیجے میں عورت آزاد ہوگئی۔ عورت بھی کام پر جاتی ہے، مرد بھی کام پر جاتا ہے، عورت نے جب مرد کی ذمہ داریاں بھی سنبھال لیں تو اس نے مطالبہ کیا کہ جس طرح وہ باہر جا کر دولت کما رہی ہے اس طرح مرد بھی گھر میں آ کر بچوں کی دیکھ بھال کرے، لیکن اس بے چاری عورت کو یہ معلوم نہیں کہ کم از کم دو سال تک ایک بچے کی دیکھ بھال سوائے عورت کے کوئی نہیں کر سکتا۔ مرد کے پاس نہ وہ آغوش ہے نہ وہ اعضاء جس کے ذریعے بچے کی ہمہ وقت خدمت مطلوب ہے۔ اسی لیے قرآن نے ماؤں کو پابند کیا ہے کہ وہ دو سال تک بچے کو کامل دودھ پلائیں، بچہ ماں کے پاس جو سکون محسوس کرتا ہے وہ باپ کے پاس نہیں کر سکتا۔ یہ ایک فطری تعلق ہے جو ازل سے چلا آ رہا ہے اور ابد تک چلے گا۔ عورت کے باہر نکلنے کے نتیجے میں مساوات کے مسئلے نے عورتوں مردوں میں اختلافات پیدا کیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان منتشر ہوئے، بچے برباد ہوئے، طلاقیں عام ہوئیں، مغرب کی اس تاریخ سے قطع نظر کر کے وسطانیہ کے سادہ لوح لیکن مخلص مفکرین مغرب کی اسلام کاری کر رہے ہیں۔ جاہلیت سے ناواقف یہ نادان مفکر اسلام کو جہالت سے آمیز کرنا چاہتے ہیں، ان کے خیال میں قرآن کے متن، حدیث کے الفاظ، بدلتی ہوئی دنیا کے تقاضوں کے تحت قرآن و سنت کے تعلق اور اس سے نتائج اخذ کرنے کی غیر معمولی صلاحیت متن کی نئی تشریح جس میں عصری تقاضوں کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہو اور جو نئے حقائق کا سامنا کر سکیں، ہمیں ایک نئے اسلام کی ضرورت ہے فقہاء کا اسلام اب

ہمارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ حالات زمانے، عصر ماحول، تقاضوں، حقائق کی تبدیلی سے قرآن وسنت کے مفاہیم بدل گئے ہیں، جن کا درست ادراک اور صحیح احساس پورے عالم اسلام میں صرف علامہ یوسف القرضاوی اور ان کے مکتب فکر کو ہے لہٰذا پوری دنیا کے مسلمان مسلمہ مکاتب فکر کی غلامی ترک کر کے استعماری طاقتوں کے حلیف روشن خیال لبرل اور جدیدیت پسند وسطانیہ کے مفکرین کی غلامی قبول کر لیں۔

گیارہ ستمبر کے واقعے پر وسطانیہ نے شدید دل گرفتگی ظاہر کی۔ اپنے بیان میں حضرت علامہ یوسف قرضاوی صاحب نے فرمایا کہ ہمارے دل لہولہو ہیں، ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملے نے ہمیں شدید دکھ، آزردگی اور غم سے دو چار کر دیا ہے۔ یہ کارروائی قرآن کی آیات کے خلاف ہے۔ [واضح رہے کہ اس وقت یہ طے نہیں ہوا اور ابھی تک طے نہ ہو سکا کہ حملہ آور کون تھے لیکن استعمار کے حلیف فوراً مسلمانوں کو ہی مورد الزام ٹھہراتے ہیں] یہی حال وحید الدین خان اور جاوید غامدی کا ہے۔

امریکہ کی دہشت گردی کا علاج جوابی دہشت گردی نہیں:

قرضاوی کے خیال میں جنگ کے دوران بھی مجاہدین صرف انہی کو ہلاک کر سکتے ہیں جو حریف میدان ہیں، بچوں عورتوں، بوڑھوں اور بے گناہ شہریوں کو ہلاک کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا، ان کے خیال میں امریکہ سے شدید ترین اختلاف اور اس کی استعماری حکمت عملیوں سے شدید نفرت کے باوجود ہم اس دہشت گردی کی مذمت کرتے ہیں جو امریکہ پر مسلط کی گئی ہے۔ انسانی جان کی حرمت اسلام کے اہم ترین اصولوں میں سے ایک ہے جس نے کسی کی جان بچائی اس نے پوری انسانیت کی جان بچائی، جس نے کسی بے گناہ کو قتل کیا اس نے پوری انسانیت کو قتل کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ فلسطین میں بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کا قتل عام، مکانات کی تباہی، بے گناہوں پر مسلط کردہ اسرائیلی دہشت گردی جسے امریکی پشت پناہی حاصل ہے، ان تمام جرائم کے باوجود اس بات کا کوئی جواز پیدا نہیں ہوتا کہ نیویارک کے شہریوں پر قاتلانہ حملہ کیا جائے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ قرضاوی اور ان کی جماعت وسطانیہ کے تمام مفکرین اسرائیل پر خودکش حملوں کو جائز سمجھتے ہیں لیکن امریکہ پر خودکش حملوں کو حرام قرار دیتے ہیں جب کہ یہ معلوم نہیں کہ خودکش حملہ کرنے والے کون ہیں؟ وسطانیہ کی فقہ بھی عجیب فقہ ہے کہ اپنے اصول سرحدیں بدلتے ہی بدل دیتی ہے یہ فقہ عرب قوم پرستی کے تناظر میں اسرائیل کے لیے دوسرے اصول تعمیر کرتی ہے اور امریکہ پرستی کے تناظر میں امریکی سرزمین کے لیے فقہ کا نیا سانچہ اور ڈھانچہ مہیا کرتی ہے۔ اس ضمن میں قرضاوی کا جاری کردہ فتویٰ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ فتویٰ مضمون کے شروع میں آچکا ہے۔ اسلامی تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا فتویٰ ہے جس پر ایک کالم نگار، ایک قانون دان، ایک جج کے بھی دستخط ہیں۔ یہ افراد علوم اسلامی سے ناواقف داڑھی سے محروم، جدیدیت پسند اور غیر عالم افراد ہیں لیکن اس فتوے پر ان کے دستخط بھی

ہیں۔

قرضاوی کی فقہ عصری مسائل سے گریز کرتی ہے:

امریکی فوج کے مسلم سپاہیوں کو دنیا بھر میں مسلم ملکوں کے خلاف امریکی یلغار میں غیر مشروط شرکت کی اجازت کا یہ فتویٰ دیتے ہوئے قرضاوی کی ''فقہ حقیقت'' [جو عصری تقاضوں، حالات و زمانہ کی رعایت کو مرکزی اہمیت دیتی ہے۔] اس موقع پر اپنے تیار کردہ تمام اصولوں سے دانستہ گریز کرتی ہے مثلاً قرضاوی اس سوال کا جواب نہیں دیتے کہ وہ احکام جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں وہ اس عہد کے لیے تھے جب دشمن کی جنگی طاقت اور مسلمانوں کی جنگی طاقت میں کوئی بنیادی فرق نہیں تھا۔ صرف تعداد کا فرق تھا۔ جنگیں جانوروں کی پیٹھ پر بیٹھ کر تلواروں سے لڑی جاتی تھیں، نیزے اور ڈھال زرہ اور بکتر اس کے اجزاء ضروری تھے۔ دشمن ہزاروں میل دور بیٹھ کر آبادیوں کو تہس نہس نہیں کرسکتا تھا۔ وہ افرادی قوت کو میدان میں لائے بغیر مخالفین کو للکارے بغیر صف آراء ہوئے بغیر اور دوبدو میدان جنگ میں پڑاؤ ڈالے بغیر جنگی عزائم پورے نہیں کرسکتا تھا لہٰذا قرآن و حدیث کے احکام اس خاص زمانے، اس خاص ماحول، اس خاص حالت، اس خاص جنگی حکمت عملی، اس محدود جنگ کے لحاظ سے بتائے گئے تھے۔ اب چونکہ جنگی ہتھیاروں کی ساخت اور جنگی حکمت عملی کے طریقہ عہد صحابہ کے مقابلے میں بالکل تبدیل ہوگئے تو وہی احکامات اب کیسے لاگو ہوسکتے ہیں؟ کیا صرف تلواروں اور بندوقوں سے دشمن کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے؟ اگر نہیں کیا جاسکتا تو قرضاوی کی فقہ حقیقت اب آنکھیں کھول کر حالات کا جائزہ لینے کے بجائے قدیم اصولوں کو جدید دنیا میں کیوں رائج کرنا چاہتی ہے۔ ہر وہ قدیم اصول جو استعماریت کے فائدے کے لیے ہے قرضاوی کے خیال میں وہ اسی طرح برقرار رہے گا لیکن ہر وہ قدیم اصول جو جدیدیت کی راہ میں رکاوٹ بنے وہ قرضاوی کو قابل اصلاح، قابل تنسیخ اور قابل ترمیم نظر آتا ہے، ان کی فقہی بصارت سلب ہوجاتی ہے اور فقہہ حقیقت نقاب اوڑھ کر حالات و زمانہ سے بے خبر ہوجاتی ہے۔ یہ جدیدیت کا خاص اثر ہے اسی لیے جدیدیت فی الاصل الحاد، فساد، طغیان سرکشی اور ایمان سے مکمل محرومی کا نام ہے۔

یوسف قرضاوی کے فتوے کا ردعمل: اسرائیلی حکمت عملی

یوسف قرضاوی نے افغانستان پر امریکی حملے کو جو شرعی جواز عطا کیا اس کے ردعمل میں اسرائیل نے فلسطین میں اسرائیلی حملوں کو ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' قرار دے کر زبردست طریقے سے نہتے فلسطینیوں پر حملے شروع کردیے۔ افغانستان جیسے کمزور ملک پر حملے جب وسیع جنگ میں تبدیل ہوگئے اور عراق کو بھی نشانہ بنانے کی تیاری ہونے لگی تو یوسف قرضاوی اور ان کے مکتب فکر وسطانیہ کو اپنے سابقہ طرز عمل کا اسلامی جواز مشکل محسوس ہونے لگا لہٰذا طارق البشری نے The Arabs in the face of aggression لکھی۔ یہ

کتاب ۲۰۰۲ء کے موسم گرما میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب بھی عرب قوم پرستی کے تناظر میں لکھی گئی کیونکہ انھیں اندازہ نہیں تھا کہ افغانستان پر امریکی حملے کی توسیع فلسطین اور عراق تک ممکن ہوگی لہٰذا عرب قوم پرستی کے ردعمل سے بچنے کے لیے وسطانیہ کے طارق البشری نے لکھا:

The US had defined itself unambiguously as the enemy of the Arab and Islamic world by its assault on Afghanistan its preparations to strick Iraq and most tellingly its support for Israel in the occupied territories when were young. We used to jockingly repeat a phrase by an actress in a 1940 movie "The Victim has Forgiven the perpeatrators but the perpetrator has not. To day after fifty years I find no expression more serious and accurate to characterized the US relationship to the Arab Islamic world. The perpetrator was and is the US. The US that expressed animosity for us in palestine for the last fifty years is the one we face to day. In Afghanistan.

طارق البشری کو اپنا فتویٰ یاد نہیں آیا۔ اس فتوے سے رجوع کرنے کی زحمت انھوں نے نہیں کی، اس فتوے کے اثرات پر وہ دل گرفتہ ہیں لیکن غلطی کا اعتراف جدیدیت پسندوں کی روایت نہیں ہے۔ عراق پر امریکی حملے سے پیدا ہونے والی نفرت کو کم کرنے کے لیے وسطانیہ نے اس حملے کی ایک اور توجیہہ پیش کی:

US led invasion should not be understood as religiously motivated but rather as driven by political and economic objectives. It was important not to jump to the conclusion that there is a battle against Islam, several indicators confirm the opposite. Although some people want to depict the issue in this way, they must not be given the chance, because this is not in our interest.

عراق پر حملے کے خلاف ازہر کا فتویٰ جہاد:

مارچ ۲۰۰۳ء میں عراق پر امریکی حملے کے خلاف جامعہ ازہر نے فتویٰ جاری کیا۔ اس حملے کی شدید مذمت کرتے ہوئے الازہر نے تمام مسلمانوں کو جہاد میں شرکت کی ہدایت کی اور کہا کہ یہ صلیبی جنگ ہے اور دنیا

میں مسلمان جہاں کہیں بھی ہے وہ اس کے خلاف جہاد میں شرکت کریں۔ یہ فتویٰ افغانستان پر حملے کے وقت نہیں دیا گیا کیونکہ افغانی عرب نہیں تھے، عرب قوم پرستی از ہر کی استعماری جدیدیت پر غالب آ گئی۔

وسطانیہ: الازہر کے فتوے کی تردید

وسطانیہ نے الازہر کے فتوے کی تردید کی اور اسے صلیبی جنگ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ عراق پر امریکی حملے کے ردعمل سے عالم اسلام میں پیدا ہونے والی نفرت اور امریکی حملے کے خلاف دنیا بھر میں اور خصوصاً یورپ میں ہونے والے زبردست مظاہروں پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے وسطانیہ نے بین الاقوامی تعلقات میں ایک نئے مکتب فکر کو متعارف کرانے کی کوشش کی جس کے بانی وہ خود تھے۔ ان کے خیال میں اس وقت دنیا میں موجود تمام غالب نظریات اور غالب فکر اسلامی بین الاقوامی مسائل حل کرنے کی اہل نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں جانب یعنی عالم اسلام اور عالم کفر کے نظریات شدت پسندی کے حامل ہیں لہٰذا ایک نئے مکتب فکر کی ضرورت ہے جو ان دونوں شدت پسندوں سے الگ ہو کر بین الاقوامی تعلقات کی بحالی کے لیے نیا نقطۂ نظر پیش کرے۔

مغرب و عالم اسلام کی جنگ معرکہ کفر و اسلام نہیں ہے:

وسطانیہ کے خیال میں مغرب اور عالم اسلام کے مابین اس جنگ کو اسلام اور کفر کے مابین جنگ قرار دینا بالکل غلط ہے۔ یہ مفادات کی جنگ ہے اس کا اسلام کے خلاف جنگ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دنیا کے مسائل مذہبی نہیں ہیں۔ مذہب ہر ایک کا معاملہ ہے۔ بین الاقوامی تعلقات میں بہتری کے لیے ہمیں مذہب کے بجائے دوسرے موضوعات پر از سر نو غور و فکر کی ضرورت ہے جو اصل مسائل ہیں۔ وہ مسائل دولت کی غیر منصفانہ تقسیم، استحصال کی مختلف عالمی و قومی شکلیں، دنیا کے وسائل کا غلط استعمال اور امن و جنگ کے نظریات ہیں لہٰذا امن عالم کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ:

Positive cooperation for the common good, the cultivation of mutual intrests and joint action to find new formulas by which nation can relate to each other.

دنیا میں جاری جنگوں اور مسائل کے حل کے لیے وسطانیہ کے پاس ایک ہی حل ہے:

New Ijtihad liberated from the remnants of history and from the imprints of these remnants on our heritage of Fiqha.

ساحل اکتوبر ۲۰۰۵ء